# بچون سے ہمارا برتاؤ

یعنی

سی-ڈبلیو-لڈبیٹر صاحب کے پمفلٹ

# اور ریلیشن ٹو چلڈرن

کا ترجمہ

جو تھیاسوفکل سوسائٹی کی بریلی برانچ مین کیا گیا

مطبع نادری بریلی مین طبع کرایا

نومبر سنہ ۱۹۰۲ء

# التماس

اُردو مین یہہ رسالہ محض اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ جو صاحب
انگریزی نہین جانتے وہ بھی اُن خیالات سے واقفیت حاصل
کرسکین جو سی۔ڈبلیو۔ لڈبیٹر صاحب نے اپنے انگریزی
پمفلٹ **اَوَر ریلیشن ٹو چلڈرن** مین ظاہر کیئے ہین.
لفظی ترجمہ کی کوشش نہین کی گئی ہے نہ ایسے مضامین کا
با محاورہ اور عام فہم اُردو مین لفظی ترجمہ آسان ہے۔
غرض چونکہ محض اظہار خیالات سے تھی لہذا سیاق عبارت
کا چندان لحاظ نہین کیا ہے۔ دو ایک جگہ غیر ضروری فقرے
ترجمہ سے متروک کر دیئے ہین اور ایک آدھ انگریزی لفظ
بھی قایم رکھنا پڑا ہے کیونکہ اُس کی جگہ ضرور تھا کہ عربی

یا سنسکرت کا کوئی لفظ لکھا جاتا اور ایسے اصحاب کو جو محض
اُردو جانتے ہین عربی اور سنسکرت سمجھنے مین ایسی ہی
دقت ہوتی ہے جیسی انگریزی سمجھنے مین ؛

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ اصول تھیا سوفی کے لحاظ سے
یہ مسئلہ کہ بچّون کے ساتھ ہمارا کیا برتاؤ ہونا چاہیئے بہت
قابل غور مسئلہ ہے اور ایسا مضمون ہے جس کی نسبت عملی
کارروائی ممکن ہے۔

ہم ضرور سمجھ سکتے ہین کہ روح انسانی کس غرض سے
جسم اختیار کرتی ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہین کہ اُس غرض کا
حاصل ہونا کس حدتک اُس ترتیب پر منحصر ہے جو روح کے
قالبون کو انسان کے بچپن اور زمانہ نشو و نما مین دیجاتی
ہے۔ پس ذرا بھی غور کرنے سے اُس بھاری ذمہ داری کا
اندازہ ہوسکتا ہے جو ہم مین سے ہر ایسے شخص کی گردن پر
ہے جسے کچھ بھی تعلق بچون سے ہے خواہ وہ تعلق بحیثیت
والدین کے ہو یا بحیثیت بزرگ کے یا معلّم کے۔ لہذا مناسب

ہے کہ ہم غور کرکے دریافت کرین کہ تھیاسوفی کیا تدبیر ہمکو اس ذمّہ داری سے سبکدوش کرنے کی بتاتی ہے ۔

مجھ ایسے مرد مجرد کا صاحب اولاد اشخاص کو ایسے مضمون پر صلاح بتانا جس سے اُن کو خاص تعلق ہے بادی النظر مین گستاخانہ حرکت ہے لہذا بطور تمہید یہ کہنا ضرور ہوا کہ گو مین اولاد نہین رکھتا مگر مجھے ہمیشہ بچون سے بہت اُنس رہا ہے ۔ برسون تک مین مختلف اسکولون مین معلّم یا منیجر رہا ہون اور کلرجی اور ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے بھی بہت عرصہ تک مین نے کام کیا ہے عرصکہ بچون سے میرے تعلقات قریب قریب کل عمر بہت ہی یگانگت کے رہے ہین ۔ پس جو کچھ مین اس رسالہ مین عرض کیا چاہتا ہون وہ محض خیالی تک بندی نہین ہے بلکہ ذاتی تجربہ پر مبنی ہے ۔

قبل کسی تجویز پیش کرنے کے مین مناسب سمجھتا ہون کہ اُس حالت موجودہ کا ذکر کرون جو یورپ کی شایستہ قومون

مین بچون خصوصاً لڑکون اور اُن کے بزرگون کے باہمی
تعلقات کی ہے ۔ اُنیس سو ۱۹۰۰ برس سے ممالک یورپ کو
جو تعلیم مل رہی وہ کہنے کو تو عیسائی مذہب کی تعلیم ہے
مگر اُس کا بدیہی نتیجہ یہہ ہوا ہے کہ یورپین لڑکے اپنے بزرگون
کے ساتھ رہتے تو ہین مگر بالکل اس طرح جیسے کسی خاص
ملک کے متوطن باشندون مین کوئی غیر قوم یا نسل رہتی ہو۔
اُنکی معاشرت کے طریقے اور زندگی بسر کرنے کے قاعدے
بزرگون سے بالکل غیر مشابہ ہین اور اُن کے اصول اخلاق
اُن اصول سے بالکل مختلف ہین جن کا بزرگ اپنے تئین
پابند سمجھتے ہین ۔ سن رسیدہ اشخاص سے مجموعی طور پر جو اُنکو
مخالفت ہے اُسے چھپانے کی نہ لڑکے پروا کرتے ہین نہ
وہ ایسی خفیف ہوتی ہے کہ لڑکے اُسے ہمیشہ چھپا سکین
جو اُن کا برتاؤ بزرگون سے ہے اُس کا نام اگر بے تعلقی
رکھا جاے تو وہ اس قسم کی بے تعلقی ضرور ہے جو مخالفت

کی آمادگی تک پہونچی ہوئی ہے۔ بزرگون کی طرف سے وہ
ہمیشہ بدگمان رہتے ہین اور مثل اجنبی یا غیر کف لوگون کے
کبھی اُن کے اغراض کی تہ کو نہین پہونچ سکتے۔ قدم قدم پر
اُن کو بزرگون کی نسبت یہ خیال ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ کرتے ہین
وہ ہمارے اشغال مین محض بیجا دست اندازی کی نیت سے
کرتے ہین اور جو اُن کی حرکت ہے وہ ہمارے لطف اور
آزادی کو کم کرنے اور اُن مین ہارج ہونیکی غرض سے ہے۔
جن لوگون نے کبھی اس مسئلہ پر غور نہین کیا ہے
وہ میرے یہ فقرے سُن کر شاید تعجب کرین گے مگر جس کسی
شخص کا ایک بھی لڑکا اس وقت اسکول مین تعلیم پا رہا ہے
وہ ضرور میرے ان بیانات کے واقعی اور درست ہونے کا
اقرار کرے گا۔ جو خاکہ مینے کھینچا ہے اُسکے صحیح ہونے کا
یقین تو اُس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی شخص اپنے اُس بھولے
ہوئے حصہ زندگی کو یاد کرے جو اُس نے اسکول مین بسر کیا تھا

اور اُس زمانہ کی حالت و کیفیت و رُجحان طبیعت کی طرف
پھر اپنا خیال دوڑائیے۔

لڑکون کی اس جماعت کی نسبت جو ہمارے ساتھ رہتی
سہتی مگر ہم سے اس قدر علحدگی اور غیریت کا برتاؤ کرتی
ہے ایک خاص بات اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور
وہ یہ ہے کہ لڑکون کے جتنے رسوم اور اطوار سن رسیدہ
جماعت کے رسوم اور طریقون سے مختلف ہین وہ کل نیم شایستہ
قومون کے اصول اور اطوار سے مشابہت رکھتے ہین اور
ابتدائی وحشیانہ حالت کی طرف عود کرتے ہین جس سے تھیاسوفی
کے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ ہر جنم[۱] مین قبل اس کے کہ
روح انسانی اپنے قالبون پر قابو پائے ایولیوشن[۲] کے ابتدائی
مدارج ازسرنو بہت تیزی سے طے کیئے جاتے ہین۔ لڑکون
مین کسی امر کی نسبت استحقاق صرف ایک اصول پر قائم ہوتا ہے

---

[۱] زندگی ۱۲ - [۲] ترقی روحانی بہ تبدیلی اشکال ۱۲

اور وہ اصول "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" ہے اگر کوئی لڑکا

اُن کی چھوٹی سی سلطنت مین حکمرانی کرتا ہے تو اُس کی نسبت

خواہ نخواہ یہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہہ سب مین اچھا یا لایق

اور ہوشیار لڑکا ہے بلکہ اُس کے معنی یہ ہین کہ دنگا کُشتی

مین وہ سب مین تیز ہے - بہت سی وحشی قومون کی مانند

لڑکون کے گروہ مین سرداری کا فیصلہ ہاتا پائی اور باہمی

مقابلہ سے ہوتا ہے -

اُن کے اصول اخلاق بھی انوکھے ہین - یہ ضرور ہے کہ

اخلاق کے معاملے مین لڑکون کی مشابہت وحشی قومون سے

اس قدر مین اور صاف نہین ہے جیسے اور امور مین ہے

مگر اُسی کے ساتھ یہہ بھی ظاہر ہے کہ سن رسیدہ جماعت کے

مقابلہ مین لڑکون کے اخلاق بہت ہی اونے درجے کے

ہین - کمزور کے ساتھ ظلم اور بدسلوکی سے پیش آنا اور اُسے

خیال مین محض غیر قابل اعتراض و لبستگی ہے - چنانچہ
اس کم سن گروہ مین اگر عام نارضامندی کسی مجرم کے خلاف
ظاہر کی جاتی ہے تو بہت شاذ و نادر کبھی کسی بہت ہی سخت
جابرانہ حرکت کے سرزد ہونے پر - غنیمت ہے کہ اس
وقت تک روپیہ کی چوری کی نسبت خیال ہے کہ یہہ ایک
ذلیل حرکت ہے مگر اُسی کے ساتھہ میوہ یا مٹھائی یا اور کھانے
کی چیزون کا چرانا عیب مین داخل نہین ہے - بڑی سے
بڑی طرح کا جھوٹ اُن کے مذہب مین نہ صرف جائز ہے
بلکہ اگر کوئی سادہ لوح چھوکرا اُس کا نشانہ بنا ہو تو وہ تفریح
اور دلبستگی کا ایک مناسب ذریعہ سمجھا جاتا ہے - اور اگر جھوٹ
سے کسی ساتھی کا جرم کسی مُسن شخص سے پوشیدہ رکھا جائے
اور اس ترکیب سے وہ ساتھی کسی جُرم کی سزا سے بچ جاوے
تو ایسا جھوٹ تو قابل تعریف و شاباش خیال کیا جاتا ہے
سب سے سنگین جرم اور سب سے زیادہ ذلیل حرکت

تو اُن کی نگاہ مین یہہ ہے کہ کبھی ظلم یا زیادتی کی شکایت
کسی بزرگ سے اس غرض سے کی جاوے کہ وہ اُس
ظلم یا زیادتی کا انسداد کرے۔ کچھ ایسی بدگمانی بزرگون
کی طرف سے لڑکون کے دل مین بیٹھی ہوئی ہے۔ اور
لڑکون کی جماعت عام طور پر کچھ ایسی مخالفت کی نگاہ سے
سن رسیدہ اشخاص کو دیکھتی ہے کہ دنگئی اور شریر
لڑکون کی بدولت بیسیون قسم کی سختیان ضعیف اور
نرم دل لڑکے اُٹھاتے ہین اور ہر طرح کی جسمانی اور
روحانی تکلیفین برداشت کرتے ہین مگر اپنے والدین یا
معلّم کے سامنے ایک لفظ شکایت کا زبان پر نہین لاتے۔

اس فقرے سے کہ ضعیف اور نرم دل لڑکون کو
بہت سخت مظالم برداشت کرنے پڑتے ہین کوئی صاحب
اس موقع پر یہہ نتیجہ اخذ نہ کرلین کہ مین پبلک اسکولون
کی خوبیون سے ناواقف ہون۔ یا یہ نہین جانتا کہ جس طور

طور پر ان اسکولون مین فی زمانہ لڑکے زندگی بسر کرتے

ہین اُس کا یہ فائدہ ہے کہ مضبوط اور قوی لڑکے بہادری کے

سبق حاصل کرتے ہین اور اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے

عادی ہو جاتے ہین - مین خوب سمجھتا ہون کہ مروجہ طریقہ تعلیم

کی بدولت اونچی جماعتون کے لڑکون مین حکمرانی اور انتظام

مملکت کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہہ اس ہی طریقہ

تعلیم کا نتیجہ ہے کہ ہم فخریہ کہہ سکتے ہین کہ انگلستان ہی

ایک ملک ہے جس مین لڑکون کی چھوٹی سی سلطنت کا انتظام

خود لڑکون کے ہاتھ مین آسانی سے چھوڑ دیا جا سکتا ہے بلکہ

اس وقت بھی اُن ہی کے ہاتھ مین چھوٹا ہوا ہے غرضکہ جو

کچھ اُس کے فوائد ہین اُن سے مین بخوبی واقف ہون -

لہذا اگر محض بُرائیون کا ہی ذکر اوپر کیا گیا ہے تو اُس کی وجہ

صرف یہ ہے کہ یہہ مضمون مین لکھتا ہی اس غرض سے ہون کہ

لوگون کی توجہہ کمسن اور مسن جماعتون کے باہمی تعلقات

کی طرف مائل کرون اور یہہ باہمی تعلقات ظاہر ہے کہ بہت

پسندیدہ حالت مین نہین ہین - چنانچہ اس سے انکار نہین

ہو سکتا کہ سن رسیدہ اور کمسن جماعتون مین ایک دوسرے

کی طرف سے قدرے کشیدگی ہے اور لڑکون کے دل مین

اگر بدگمانی ہے جس کا ذکر اوپر کرچکا ہون تو بزرگون کی

طرف سے اُس کے جواب مین اظہار نفرت اور اغراض دلی

سمجھنے کی قطعی ناقابلیت ہے -

بہت سے مرد (اور تعجب تو یہہ ہے کہ بہت سی عورتین

بھی) لڑکون کو شورشی - کثیف - لالچی - بھدّا - خود مطلبی

غرضکہ ہر طرح پرپُر از عیوب سمجھتے ہین - وہ نہین سمجھتے کہ

ہمارے یہہ خیالات کس حد تک خود غرضانہ ہین اور اگر

واقعی لڑکون مین وہ عیب موجود ہین جن کا اُن کو الزام

دیا جاتا ہے تو قصور درحقیقت لڑکون کا ہے یا اُس بیہودہ

تربیت کا ہے جو لڑکون کو دی گئی ہے بہر حال بزرگون کو

اتنا تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا فرض ہے کہ محبت اور ہمدردی

خلوص دل اور خیر طلبی کے برتاؤ سے حالت موجودہ کی

اصلاح کرین نہ کہ بدگمانی اور نفرت کے اظہار سے

موجودہ فصل اور کشیدگی کو بڑھائین - جو کچھ حالت

تعلقات باہمی کی آج کل ہے اُس کے ناقص ہونے مین

تو شک نہین ہے اور اس مین بھی شک نہین ہے کہ اس

باہمی بدگمانی اور مخالفت کی بہت کچھ اصلاح ہوسکتی ہے

نیک اندر بد تو ہر جگہ ہوا ہی کرتے ہین چنانچہ بعض ایسے

لڑکے بھی ہین جن کو اپنے معلّمون کی طرف سے بدگمانی

نہین ہے اور خاص خاص معلّم بھی ہین جن کو لڑکون پر

پورا بھروسہ ہے (خُلق سے پیش آنے کی وجہ سے خود

مجھ کو ہی کبھی لڑکون کے دل مین جگہ کرنے مین دقّت

نہ ہوئی) مگر ذکر تو یہان عام لوگون کا ہے اور اس مین

شک نہین کہ عام طور پر صورت حال وہ ہی ہے جو اوپر

بیان ہوئی ہے۔ حالانکہ اُن خاص نیک لڑکے اور نیک

معلّمون کی حالت کے لحاظ سے جن کی طرف ابھی اشارہ

ہوا ہے اور نیز شرقی ملکون کی حالت پر لحاظ کرنے

سے ظاہر ہوتا ہے کہ بزرگون اور خوردون کے تعلقات

باہمی کا ناپسندیدہ حالت مین رہنا کوئی لازمی امر نہین

ہے۔ مجھے جاپان جانے کا خود موقع نہین ہوا ہے لیکن

جن لوگون نے اس معاملہ مین برسر موقع تحقیقات کی

ہے اُن کا بیان ہے کہ دُنیا کے کسی ملک مین خوردون

اور بزرگون کے باہمی تعلقات ایسی عمدہ حالت مین

نہین ہین جیسے جاپان مین ہین۔ اس ملک مین بزرگون

کو کبھی سختی اور تشدد کا خیال بھی نہین گذرتا اور اُسی کے

ساتھ لڑکے کبھی بزرگون کی شفقت کا بیجا فائدہ نہین اُٹھاتے

ہند اور سیلون مین کہین کہین بزرگونکی طرف سے

بیجا سختی کا برتاؤ دیکھنے مین آتا ہے جس کے معنے یہ ہین

کہ اس بارہ مین یہ دونون ملک بمقابلہ جاپان کے کسی قدر

پستی پر ہین مگر یورپ کے مقابلہ مین ان دونون ملکون مین بھی

یقیناً بزرگ اور خورد ایک دوسرے سے بہت زیادہ عاقلانہ

طور پر پیش آتے ہین ۔

یہ ضرور ہے کہ اس بارہ مین جو کچھ فرق مشرقی اور

یورپین قومون کی حالت مین ہے وہ کچھ حد تک قوم اور

نسل کے فرق کی وجہ سے بھی ہے ۔ مشرقی لڑکون کے

خون مین وہ اُبلتا ہوا جوش اور اُن کے جسم مین وہ پھڑکتی

ہوئی قوت اور پھرتی نہین ہوتی ہے جو انگریز لڑکون مین

پائی جاتی ہے نہ انگریز لڑکون کی طرح سے مشرقی لڑکون

کو دماغی محنت سے قطعی نفرت ہوتی ہے ۔ اِنگلستان کے

اسکولون کے لڑکے سُن کر شاید متعجب ہون گے

بلکہ ممکن ہے وہ اُس کے سمجھنے سے بھی قاصر رہین مگر واقعی

بات یہ ہے کہ ہندوستانی بچون کو تحصیل علم کا دلی شوق

ہوتا ہے اور وہ اسکول کے گھنٹون کے علاوہ بھی ترقی

کی غرض سے ہر قسم کی محنت کرنے کو امادہ رہتے ہین بخلاف

اس کے معمولی انگریز لڑکے کے نسبت یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ

اُس کے خیال مین جو حصہ زندگی کھیل کود مین کٹتا ہے

وہ بہترین حصہ زندگی ہے ۔ رہا سبق یاد کرنا یہہ تو اُس کے

نزدیک ایک خاص نسخہ پریشانی پیدا کرنے کا ہے جس

سے بچنا ہی بہتر ہے سبق کے نسبت تو سمجھنا چاہیئے کہ

اُستاد اور شاگرد مین بازی بدی جاتی ہے کہ دیکھین

کون اپنی کوشش مین کامیاب ہوتا ہے ۔ اگر دھر پکڑ کر

کسی طرح اُستاد نے کچھ یاد ہی کرا دیا تو گویا جیت

اُستاد کی رہی لیکن اگر کسی ترکیب سے یا فقرے

سے سبق یاد نہ کرنا پڑا تو بازی شاگرد کے ہاتھ رہی

مشرقی ملکون مین ایسے لڑکے خال خال ہین ۔ اُن ملکون

مین لڑکے عام طور پر پڑھنے کے شوقین ہوتے ہین

اور عقلمندی اور شعور کے ساتھ اُستاد کا ہاتھ

بٹاتے ہین نہ کہ انگریز لڑکون کی طرح سے منگرے پن

سے ہمیشہ اُستاد کی کوششون کو بے اثر کرنے کی

فکر مین رہتے ہون ۔

ایک کیفیت اکثر سیلون مین دیکھنے مین آئی

ہے جس سے انگریز اور مشرقی لڑکون کی حالت کا

فرق زیادہ صاف طور پر ظاہر ہو جاے گا ۔ الف لیلہ

کے پڑھنے والون کو یاد ہوگا کہ اُس کے قصون مین اکثر

جگہ بادشاہون رئیسون کے دربارون مین عین ایسے

وقت راہ گیر (بعض موقعون پر محض مزدور یا فقیر) آپڑے

ہین جب کہ وہ بادشاہ یا رئیس رعایا کی فریاد سنتا ہوتا تھا

مگر بجاے اس کے کہ اُس راہ گیر کی یہ حرکت خلاف ادب

خیال کی گئی ہو یا وہ دربار سے نکلوا دیا گیا ہو وہ ہمیشہ

خاطر سے بٹھلایا گیا ہوگا اور جو کچھ معاملہ پیش ہوگا اُس پر

اُس کی راے بتوجہ سُنی گئی ہوگی -

انگریزی طرز معاشرت کے لحاظ سے تو ایسا کوئی موقع پیدا ہی نہین ہوسکتا مگر مشرقی ملکون مین زمانہ سابق مین واقعی ایسا ہی ہوا کرتا تھا اور چھوٹے چھوٹے موقعون پر تو اب بھی یہ کیفیت ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور مین نے خود اپنی آنکھ سے دیکھی ہے - مین اس غرض سے سیلون کے دیہات مین سفر کر رہا تھا کہ دیہات کے باشندون کو تعلیم کے فوائد سے واقف کر کے اُن سے اسکول قائم کراؤن تاکہ اُن کے بچے اپنے مذہب کی تعلیم ٹھیک طریقے سے حاصل کرین اور گرُون کے پاٹ شالاؤن کی اوٹ پٹانگ تعلیم سے اور عیسائی پادریون کے مذہبی پھندون سے بچین چنانچہ جب مین کسی گاؤن مین پہونچتا تھا تو وہان کے مقدم سے درخواست کر کے گاؤن کے باشندون کو جمع کراتا تھا اور اس بارہ مین

اُن کے روبرو کچھ تقریر کرتا تھا۔ میری تقریر سننے کے بعد
گانون کے مکھیا مکھیا لوگ ایک پنچایت ... سی یہ امور
طے کرنے کی غرض سے کیا کرتے تھے کہ اسکول کس ترکیب
سے اور کس جگہ قائم کیا جاے اور اس مین کام کس طور سے
شروع ہو۔ اکثر اوقات پنچایت مقدم کے مکان کے
برآمدے مین یا گانون کے کسی پرانے درخت کے تلے
ہوا کرتی تھی۔ اس پنچایت کے اِردگرِد کل گانون جمع
ہو جایا کرتا تھا۔ بہت دفعہ ایسے موقعون پر مین نے دیکھا
ہے کہ گانون کا کوئی کم سن دس بارہ سال کا لڑکا کھڑا ہوگیا
اور اُس نے اپنے گانون کے اُن بڑے بڑے اراکین سے
گفتگو کی اور مؤدبانہ اپنی راے ظاہر کی کہ فلان جگہ اسکول
قائم ہونا یا نہونا چاہیئے کیونکہ فلان فلان جگہ جانے مین فلان
فلان لڑکے کو تکلیف ہوگی۔ جب کبھی اس طور پر کسی لڑکے
نے اپنی راے ظاہر کی تو گانون کے مقدّمون نے ہمیشہ

اُس کو ویسی ہی توجہہ سے سُنا جیسے کسی ہمسن کی رائے

کو سُنتے اور اُس پر معقول لحاظ کیا - اب جاے غور ہے کہ

انگلستان مین کیا کیفیت ہو اگر کسی کونٹی کونسل کے جلسے

مین کسی دہقانی مزدور کا لڑکا کوئی تجویز یا تحریک پیش کرنے

کے لیئے اُس کونٹی کے امراء کے روبرو کھڑا ہو جاے - قیاس

غالب تو یہہ ہے کہ وہ فے الفور جھڑک دیا جاے گا - اصل

تو یہہ ہے کہ انگلستان کے طرز معاشرت کے لحاظ سے کسی

لڑکے کو اس قسم کا موقع ملنا غیر ممکن ہے ۔

خیر یہ تو سب ہوا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

آخر اس بے اعتباری اور بدگمانی کی جن کا ذکر اوپر ہُوا

اصلاح کیونکر کیجاوے - اِس کا جواب یہہ ہے کہ جہان

کہین کشید گی باہمی پیدا ہوچکی ہے وہان تو علاج اب

محض یہہ ہے کہ بزرگ ہر موقع پر لحاظ رکھین کہ اگر وہ خود

لڑکے کی حالت مین ہوتے تو کون بات کس طرح سے

کرتے ۔ اِسی کے ساتھ وہ لڑکون سے خاص محبت اور ہمدردی

کا برتاؤ کرین اور استقلال کے ساتھ کوشش کرین کہ رفتہ

رفتہ ہر دو فریق مین ایک کے خیالات دوسرے کی

طرف سے اچھے ہوتے جائین ۔ اگر ہم لوگ جو سن تمیز

کو پہونچ چکے ہین اپنے لڑکپن کو بالکل بھول نہ گئے ہوتے

تو بچون کے بہت سے حرکات کو ہم قابل معافی قرار دیتے

اور اُن کا منشاء دلی سمجھتے ین اور اُن سے ہمدردی کرنے

مین اس قدر قاصر نہ رہتے ۔ مگر بچون کے ساتھ برتاو کرنے کا

مضمون تو یقیناً ایک ایسا مضمون ہے جس کی نسبت وہ

پُرانی مثل صادق آتی ہے کہ علاج مرض سے انسداد مرض

بہتر ہے پہلے ہی سے رُوک تھام کیون نہ کی جاوے کہ

مرض پیدا ہی نہ ہونے پاوے ۔ چنانچہ اگر شروع سے

ہی بچون سے برتاؤ کرنے مین ہم ذرا تکلیف گوارا کرین

اور ذرا عقل سے کام لین تو یہہ نوبت ہی کیون آئے کہ

آگے بڑھ کر باہمی تعلقات کے سدھارنے کی فکر کرنی پڑے ۔ چنانچہ اگر تھیاسوفی سے کوئی نیک اور عاقلانہ صلاح ہم کو ملتی ہے تو وہ بھی اس ہی بارہ مین ملتی ہے کہ جو لوگ بصدق دل اپنا فرض ادا کرنی کی خواہش رکھتے ہین وہ کیونکر شروع سے ہی اُن بچون سے برتاؤ کرین جن کی پرورش اور نگہبانی اُن کے سر پڑی ہے ۔

سب سے پہلے تو پورے طور پر والدین اور معلمون کے ذہن نشین یہہ ہی ہونا چاہیئے کہ بچون کی پرداخت کرنا بھی مثل اور فرائض کے ایک فرض بلکہ عین فرض ہے ۔ ہر شخص کے دل پر اس امر کا نقش ہونا چاہیئے کہ ماں باپ بن بیٹھنا کتنا ہی آسان کیون نہ ہو مگر ذمہ داری جو بحیثیت والدین کے ہم اپنی گردن پر لیتے ہین بہت ہی بھاری ذمّہ داری ہے ۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہہ ذمّہ داری بمنزلہ ایک فرض مذہبی کے ہے ۔ ہر شخص جو بچّے کے اس دُنیا

مین آنے کا باعث ہوتا ہے وہ گویا فرشتۂ عذاب وصواب

(کرم کے دیوتاؤن) سے صریحی وعدہ کرتا ہے کہ مین اس

نوزائیدہ کی روح کو پورا پورا موقع نشو ونما کا دون گا اور

جملہ اسباب اُس روح کی ترقی کے مہیا کردون گا۔

پس اگر اس معاملہ مین والدین ذرا بھی بے پروائی کرین گے

یا کچھ بھی نفس پروری کی وجہہ سے بچّے کی ترقی کے ہارج

ہون گے یا کچھ بھی کمی اُس مدد اور رہنمائی مین کرین گے

جس کے پانے کے بچے مستحق ہین تو اُس کی پاداش مین

والدین سخت عذاب کے مستوجب ہون گے۔ افسوس

یہہ ہے کہ فی زمانہ والدین اس صریحی فرض سے دانستہ

آنکھ چُراتے ہین بہتون کے نزدیک تو بچون کا عدم وجود

یکسان ہے یا زیادہ سے زیادہ بچہ پیدا ہونے کا فائدہ

یہہ ہے کہ والدین ذی اولاد ہونے کا بیجا غرور اور فخر کرسکین

اگر ہم معلوم کرنا چاہتے ہین کہ ہمارے بچون کے

حقوق کیا ہین یا یہ کہ بچون کے مقابلہ مین ہمارے
فرایض کیا ہین تو لازم ہے کہ دریافت اور تحقیق کرین
کہ ہمارے بچے کی جو کچھ حالت اس وقت ہے وہ ایسی
کیون اور کس وجہ سے ہے۔ یا یون کہو کہ ہم پر لازم ہے
کہ ہم اپنے خیال کو درجہ بدرجہ بچے کے گذشتہ جنم
(یعنے دنیوی زندگی) تک منتقل کرین اور دیکھین کہ اُس
گذشتہ جنم مین اُس کی کیا کیفیت تھی۔

آج سے کم وبیش پندرہ سو (۱۵۰۰) سال قبل تمہارا لڑکا
شاید ایران کا باشندہ شاید بغداد یا کاشی کا کوئی
فلسفی عالم یا افغانستان کا کوئی نیم وحشی گنوار تھا۔
بہرحال ظاہری حالت اُس کی جو کچھ رہی ہو یہہ ضرور
ہے کہ اُس کی ایک خاص طبیعت قایم ہو چکی تھی اور
یہہ مزاج اور طبیعت بہت سی خصلتون کا مجموعہ تھا
جس مین سے کچھ خصلتین مضبوط جڑ پکڑ چکی ہون گی

اور کچھ غیر مکمّل حالت مین ہون گی - اپنے وقت سے

وہ اُس کا گذشتہ جنم (یعنے زندگی) اختتام کو پہونچا

-اب اُس زندگی کا خاتمہ کسی مرض یا پیرانہ سالی کی وجہ

سے عرصہ تک ایڑیان رگڑنے کے بعد ہوا ہو یا کسی صدمہ

یا حادثے کی وجہ سے اچانک ہو گیا ہو مگر بات جو یاد رکھنے

کی ہے وہ یہہ ہے کہ زندگی ختم ہو جانے سے کوئی فوری

تبدیلی اُس کے مزاج اور طبیعت مین واقع نہین ہوئی.

اکثر لوگون کے دل مین ایک عجیب قسم کا غلط خیال دھنسا

ہوا ہے کہ مرتے کے ساتھ ہی انسان کو ولایت کا درجہ

حاصل ہو جاتا ہے اس دنیا مین عمر بھر چاہے کیسی ہی

شیطانی حرکتین کرتا رہا ہو مگر مرا اور فرشتہ بن گیا -

جن لوگون نے اپنے ذمّے یہہ خدمت لی ہے کہ اُن

روحون کی مدد اور دستگیری کرین جو انتقال کے بعد

جسم خاکی سے نکل کر عالم ہوا و ہوس (کام لوک - طبقہ خواہشات نفسانی)

مین قیام کرتی ہین وہ لوگ کہہ سکتے ہین
کہ عوام کا یہہ خیال جس کا ابھی ذکر ہوا محض غلط اور بے بنیاد
ہے۔ انسان کی طبیعت پر اس کالبد خاکی کے اُتار پھینکنے
کا اثر اُس سے زیادہ نہین ہوتا جتنا کہ کسی اچکن یا انگرکھے
کے اُتار ڈالنے کا ہوتا ہے مرنے کے ایک روز بعد انسان
کی وہ ہی طبیعت ہوتی ہے اور اُس مین بجنسہ وہ ہی
بُرائیان اور نیکیان موجود رہتی ہین جو مرنے سے ایک روز
پہلے تھین۔ یہہ ضرور ہے کہ چونکہ جسم خاکی سے انسان
باہر اگیا ہوتا ہے اور اُس کا قیام طبقۂ ہوس مین ہوتا ہے
لہذا طبیعت کی بُرائیون اچھائیون کو وہ اُس طور سے
ظاہر نہین کرسکتا اور اُن کو اُس صورت سے کام مین
نہین لاسکتا جس طور پر اور جس صورت سے کہ زندگی
دنیوی یعنے قیام جسم خاکی کی حالت مین ظاہر کرتا یا کام
مین لاتا تھا۔ غرضکہ کام لوگ (طبقۂ ہوس) مین خصلتون

اور خواہشون کے ظاہر ہونے اور کام دینے کا طرز اور انداز
بدل جاتا ہے مگر اُن کی موجودگی مین فرق نہین آتا ہے
بلکہ یہہ خواہشین اور خصلتین ہی تو روح کے کام لوک
مین رہنے کا باعث ہوتی ہین حتے کہ انسان کو اُس وقت
تک اس طبقہ مین رہنا پڑتا ہے جب تک وہ جوش وجذبہ
زائل نہو جائے جو زندگی دنیوی کی حالت مین خواہشون
کی وجہ سے اُس کی طبیعت مین پیدا ہو گیا تھا یا یون کہو
کہ دنیوی زندگی مین جو قالب ہوس انسان نے اپنے
واسطے گڈھا ہوتا ہے وہ قالب جب تک منتشر نہین
ہو جاتا ہے اُس وقت تک انسان عالم ہوس (کام لوک)
مین قیام کرتا ہے۔

قالب ہوس منتشر ہونے کے قبل ممکن نہین ہے
کہ انسان کو بہشت یا جنت (دیواچان) کی راحتین نصیب
ہون مشکل تو یہہ ہے کہ دیواچان ایسے اعلےٰ اور برتر طبقہ مین

چلے جانے پر بھی یعنے قالب ہوس کے منتشر ہوجانے
پر بھی خصلتون سے قطعی طور پر چھٹکارا نہین ہو جاتا ہے
خواہشون اور آرزوُن کا ولولہ ضرور ظاہر ازائل ہوگیا
ہوتا ہے مگر طبیعت مین خصلتون کا مادہ پھر بھی باقی رہجاتا
ہے ۔ صرف ہوتا یہ ہے کہ دیواچان کا طبقہ بہت ہی
نفیس اور لطیف طبقہ ہے اس مین چونکہ اسباب طبقہ
ہوس کے موجود نہین ہوتے ہین اور چونکہ خواہشین اور
ہوس محض اُن ہی اسباب کے وسیلہ سے متحرک اور
ظہور پذیر ہو سکتے ہین جو طبقہ ہوس مین موجود ہوتے
ہین لہذا دیواچان مین یہہ خواہشین اور ہوس دبے
ہوئے اور بے حس وحرکت پڑے رہتے ہین (ایسی ہی
حالت کے واسطے میڈم بلیوٹسکی نے الفاظ عدم موجودگی
وسائل استعمال کیئے ہین) مگر جب انسان پھر اُن طبقات
کی طرف عود کرتا ہے جہان خواہشات کے ظاہر و متحرک

ہونے کے وہ اسباب اور وسائل موجود ہوتے ہین تو

یہہ ہی خواہشات جو دیوا چان مین بے دست وپا پڑی ہوئی

تھین پھر سر اُٹھاتی ہین اور ذرا سا بھی سہارا پانے پر

قوت پکڑ جاتی ہین ۔ ایک خاص مثال اس موقع پر

کسی قدر چسپان ہوگی۔ اگر کسی ڈھکنے دار برتن مین ایک

چھوٹا سا گھنگرو بجایا جائے اور پچکاری کے ذریعہ سے

اُس برتن سے ہوا نکال لی جاوے تو جون جون ہوا نکلتی

جاوے گی اُتنی اُتنی گھنگرو کی آواز ہلکی پڑتی جائے گی

حتے کہ جب وہ برتن ہوا سے بالکل خالی ہو جائیگا تو گھنگرو کی

آواز بھی بالکل نہ سُنائی دے گی اب ظاہر ہے کہ گھنگرو کے

بجنے مین کوئی فرق نہین ہوا ہے وہ اُتنی ہی تیزی سے

اب بھی بج رہا ہے جیسا پہلے بجتا تھا فقط آواز اُس کے

بجنے کی اب نہین سُنائی دیتی ۔ یہہ اس وجہ سے نہین

سُنائی دیتی کہ جس وسیلہ سے آواز گھنگرو سے چل کر ہمارے

کان تک پہونچتی تھی یعنے ہوا جو آواز کے حرکت کرنے کا
ذریعہ تھا وہ درمیان سے غائب ہو گئی ہے اگر برتن مین
ہوا پھر بھر دی جاے تو گھنکرو کے بجنے کی آواز فوراً ہی
پھر ہمارے کان تک آنے لگے ۔ غرضکہ جس طور پر
کہ بلا موجودگی ہوا کے یا ہوا کی قسم کے اور کسی وسیلے کے
آواز اپنے تئین ظاہر نہین کر سکتی یعنی ہمارے کان تک
اپنے تئین نہین پہونچا سکتی اسی طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ
بہت سی خصلتین بھی انسان کی طبیعت مین ایسی ہوتی ہین
جو بوجہ عدم موجودگی اُن اجزا کے ظاہر نہین ہو سکتین جو
طبقہ ہوس کے باہر نہین پائے جاتے ہین ۔ چنانچہ جس وقت
روح انسان بطون کے طرف سمٹ کر طبقہ ہوس سے بھی
کوچ کرتی ہے اور دیواچان کے طبقہ مین پہونچ کر وہان قیام
کرتی ہے تو یہہ خصلتین جواب بوجہ عدم موجودگی وسائل
ظاہر نہین ہو سکتین خواہ نخواہ دبی ہوئی اور بے حس و حرکت

پڑی رہتی ہین - یہ ہی کیفیت اُن خصلتون کی ہوتی ہے
جو دیواچان کے ادنے طبقہ سے تعلق رکھتی ہین یعنے جن
خصلتون کے اظہار کے واسطے اجزاے طبقۂ واہمۂ ادنے
کی ضرورت ہے وہ طبقۂ واہمہ اعلےٰ مین مُضمحل اور بے حس و
حرکت پڑی رہتی ہین (مطلب یہہ ہے کہ جس کو دنیا والے موت
کہتے ہین وہ روح انسانی کا ایک خاص طبقہ اور ایک خاص
قالب سے نکل کر اُس سے اعلےٰ و نفیس طیفہ مین جانا اور لطیف
قالب اختیار کرنا ہے - اس تبدیلی طبقات و قالب سے
طبیعت انسانی مین فرق نہین آتا جو اُس کی خواہشین اور خصلتین
ہوتی ہین وہ موجود رہتی ہین صرف ہوتا یہہ ہے کہ جو خواہشات
ادنے طبقہ یا ادنے قالب مین ظاہر ہوتی تھین وہ اعلے طبقات
مین چھپی ہوئی پڑی رہتی ہین کیونکہ جو اجزا اعلے طبقات
مین موجود ہوتے ہین وہ اُن خواہشون کے اظہار کے
واسطے غیر موزون ہوتے ہین )

اب جب نئے جنم لینے کا وقت آتا ہے

یعنے جب روح اس دنیا کی طرف عود کرتی ہے

تو جو کیفیت اوپر بیان ہوئی اُس کے بالکل برعکس

کیفیت ہوجاتی ہے یعنی بجاے سمٹنے کے گویا ایک قسم کا

انکشاف شروع ہوتا ہے اور اُنہین طبقات مین ہوکر

روح زینہ بزینہ لوٹتی ہے جن مین ہوکر اُس نے

سعود کیا تھا یعنی دیواچان کے طبقۂ اعلےٰ

(اروپ طبقہ - لامکان) سے اُتر کر سب سے

پہلے وہ دیواچان کے طبقۂ ادنےٰ مین آتی ہے

(روپ پلین یا طبقہ) اور جہان تک ممکن

ہوتا ہے یعنے جس حد تک اُس طبقے کے

اجزا مدد دیتے ہین روح اپنے تئین اوس

طبقے مین ظاہر اور منکشف کرتی ہے اس اظہار

اور انکشاف کی غرض سے روح کو اپنے واسطے

اُس طبقہ کے اجزا کا ہیولہ × یا جسم بنانا پڑتا ہے جو آیندہ بطور
اُس کے قالب واہمہ کے کام دیتا ہے مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے
کہ یہ اجزا آنکھ بند کر کے اکھٹا کر لیئے جاتے ہین کہ جو ہاتھ
لگا وہ رکھ لیا گیا - نہین بلکہ ہوتا یہہ ہے کہ متفرق اور
مختلف قسم کے اجزا سے جو اُس کے گرد و پیش
غیر محدود لگے ہوتے ہین روح اُس قسم کے
اجزا اپنی طرف کھینچتی ہے جو خاص اُس طبقے پر اُسکی

---

(نوٹ) × جن لوگون نے بھوتون کی بازیگری کے جلسے دیکھے ہین (اسپرچوالسٹک سیانس)
وہ جانتے ہین کہ جب کبھی کسی مادّی شے کے اُٹھانے یا ہٹانے کی ضرورت ہوتی ہے
تو موکل اجزار خاکی سے اپنے استعمال کے واسطے ایک عارضی ہاتھ بنا لیتا ہے یا کسی
اور مادی وسائل کو کام مین لاتا ہے - یہہ کچھ ضرور نہین ہے کہ یہ ہاتھ خواہ ایسا دبیز یا
کثیف ہو کہ ہماری بھدّی نظر سے یا ہماری معمولی روشنی مین محسوس ہو سکے مطلب یہ ہے
کہ یہ آلہ ہوتا مادّی اجزا کا ہے وہ مادّی اجزا چاہے کتنی ہی لطیف ہون - اسی طرح سے ہر طبقہ
کے اجزا سے روح اپنی اغراض کے لیئے ایک ایک قالب تیار کر لیتی ہے ۱۲

طبعی خصلتوں کے اظہار کے واسطے موزون ہون۔
اسی طرح پر جب انسان ایک زینہ اور نیچے اُترتا
ہے یعنے جب طبقۂ ہوس مین آتا ہے تو قدرتی
طور پر اُس طبقہ کے بھی ایسے ہی اجزا اُس کے
طرف کھنچتے ہین جو وہان اُس کے کام مین آسکتے ہون
اور اُس کی اُن خواہشات نفسانی کے لیئے موزون
وسیلے بن سکتے ہون جو اُس کی طبیعت مین گذشتہ جنم
سے موجود ہین۔ غرضکہ جس کسی طبقہ یا عالم مین انسان
لوٹتا ہوا آتا ہے اُس مین وہ اُس ہی کیفیتِ باطنی
اور اُس ہی طبیعت اور مزاج کو لے کر آتا ہے جسمین
وہ گذشتہ زندگی مین یا گذشتہ زندگی کے ختم ہونے پر
گیا تھا۔ ہان فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ تازہ جنم لینے
پر اُس کی طبیعت مین جو خصلتین ہوتی ہین وہ مکمّل
یعنے کام دیتی ہوئی یا نشو و نما پائی ہوئی خصلتین نہین

ہوتی ہین بلکہ محض خصلتون کا تخم + یا مادّہ ہوتا ہے ابھی

تک اگر بچّے کی طبیعت مین اُس مادہ کے موجود ہونے کا

کچھ اثر ہے تو صرف یہہ ہے کہ کشش قدرتی کے ذریعہ

سے وہ اپنے نشو و نما کے واسطے اُس بچّے کے

مختلف قالبون مین موزون اور موافق اجزا یا زہین

جمع یا مہیا کر سکتا ہے لہذا اب اس نئی زندگی مین

اُن خصلتون کا اُس حد تک قوت پکڑنا جس

---

نوٹ + اس موقع پر درخت اور درخت کے بیج کی مثال پورے طور پر چسپان

ہے گذشتہ جنم کی پورے طور پر جڑ پکڑی ہوئی اور لہرین مارتی ہوئی کسی خواہش کو تو

درخت سمجھیے نوزائیدہ بچّے کی طبیعت مین جو کسی خصلت کا مادہ ہوتا ہے اوسے

درخت کا تخم یا بیج سمجھیے جیسے زمین مین پڑنے پر وہ بیج از سر نو درخت بن جانے

کی غرض سے اجزاء آبی یا اجزاء ارضی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اُسی طرح سے

خصلتون کا مادّہ بھی اُن اجزا کو اپنی طرف کھینچتا ہے جن کی مدد سے وہ

از سر نو اپنی گذشتہ حالت تازگی مین آ سکے ۱۲ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

حد تک کہ وہ گذشتہ زندگی مین قوت پکڑے ہوئے تھین

زیادہ تراُس مدد اور ترغیب پر منحصر ہے جو اوائل عمر

مین بچّے کو اپنے جمیع تعلقات سے یعنی تعلیم درسی و نظری

وغیرہ سے ملتی ہے - ہر خصلت خواہ وہ اچھی ہو یا بُری

سرسبز بھی کی جا سکتی ہے اور بخلاف اُس کے پژمردہ

اور خشک بھی کردی جا سکتی ہے - اگر اُبھرنے مین اُسے

مدد ملی تو اس زندگی مین بہ نسبت گذشتہ زندگی کے وہ

زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو جاے گی - اور اگر وہ قصداً

دبائی گئی تو اس زندگی مین وہ محض اُس بیج کی مانند پڑی

رہ جائے گی جس مین بوجہ ناموافقت زمین کے کلّہ نہ پھوٹ سکا)

اور آیندہ زندگی مین وہ طبیعت سے بالکل ہی زائل ہو جائیگی -

غرضکہ تحریر صدر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بچہ

اول ہی اول جب اپنے والدین کے زیر نگرانی آتا ہے

تو کس کیفیت مین آتا ہے - اس وقت تک اُس کا کوئی

خاص قالب واہمہ یا قالب ہوس پورے طور پر تیار نہین

ہوچکا ہوتا ہے - بلکہ اس وقت تک محض اُسکے گرد و پیش

ایسے اجزا اور اسباب جمع ہوتے ہین جن سے آیندہ

بڑھ کر یہہ قالب بن جاتے ہین - اُس کی طبیعت مین

انواع و اقسام کے شوق اور رُجحان موجود ہوتے ہین

جو کچھ اچھے اور کچھ بڑے جانب مائل ہوتے ہین - قالب

واہمہ اور قالب ہوس کی ساخت اور صورت کُلّیتہً

اس امر پر منحصر ہے کہ کون کون شوق اور کس کس طرف

رُجحان قائم رکھّا گیا اور کس کس طرف سے اُس کی

طبیعت ہٹائی گئی اور طبیعت کا یا اُس کے رُجحان اور

شوق کا کسی خاص جانب رجوع رہنا یا کسی خاص بات سے

پھر جانا محض اُس خارجی اثر پر منحصر ہے جو اوائل عمر مین

چند سال تک اُس کی طبیعت پر ڈالا جاسکتا ہے - لوگ اندازہ

نہین کرسکتے کہ بچّے کے یہہ غیر مکمّل قالب کیسے ملائم اور

لچلچے ہوتے ہین جس کو انسان جس طرف چاہے موڑ اور جھکا سکتا ہے۔ جسم خاکی کی نسبت تو روز کا تجربہ ہے کہ جیسی مشق بچپن سے ڈالی جاتی ہے ویسا ہی جسم بن جاتا ہے۔ جس طرح سے بچپن مین جسم× خاکی کو ہر قسم کی عادت ڈالی جاسکتی ہے اور اُس پر ہر قسم کا اثر پڑ سکتا ہے اسی طرح سے اوائل عمر مین قالب ہوس اور قالب واہمہ بھی بہت کچھ اثر پذیر ہوتے ہین اور بُرا یا اچّھا جو کچھ اثر اُنکے متعلقین

---

نوٹ × پانچ چھ برس کی عمر تک بچّے کے جوڑ اور ہڈیان سخت نہین ہوتے ہین۔ نٹ اور بازیگر اس عمر مین بچّون کو مشق کرانی شروع کرتے ہین اور رفتہ رفتہ اُن کے جسم کا ہر عضو عجیب اور غریب طور پر جھکنے اور مڑنے لگتا ہے زیادہ عمر مین کتنی ہی مشق کیون نہ کرائین یہ بات اُن کے لڑکون کو حاصل نہین ہوسکتی۔ ہم لوگون کے جسم بھی اگر بچپن سے عادی کیئے جاتے تو نٹون کی طرح موڑے اور لچائے جاسکتے تھے مگر چونکہ ہمکو بچپن سے ایسی مشق نہین کرائی گئی اور اب عضو سخت اور مضبوط ہوگئے لہذا اب ہم کتنی ہی مشق کیون نہ کرین سب بیکار جائے گی ۱۲

ڈالنا چاہتے ہین اُسے وہ بہت جلد قبول کر لیتے ہین اور

جسم خاکی کی طرح یہہ دونون قالب بھی جیسی جیسی بچّے کی عمر

بڑھتی جاتی ہے سخت پڑتے جاتے ہین حتّٰے کہ بہت تھوڑا عرصہ

گذرنے پر خارجی اثر قبول کرنے کی قابلیت بچّے کے اُن

دونون قالبون سے جاتی رہتی ہے اور جو عادتین کہ اُن

قالبون نے اختیار کر لی ہوتی ہین اُن کا تبدیل ہونا مشکل

بلکہ غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

ان سب باتون پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچے کے

آغاز زندگی مین اُس کے تعلقات کا لحاظ رکھنا کس قدر

ضروری ہے اور والدین کے اوپر کیسی بھاری ذمہ واری

اس بات کی ہے کہ بچے کا نشو و نما اچھے سے اچھے تعلقات

اور اچھی سے اچھی کیفیت اور حالت مین ہو۔ نوزائیدہ

بچہ ہمارے ہاتھہ مین مثل گیلی مٹی کے ہوتا ہے جس صورت

کا کھلونا ہم چاہین اُس مٹی کا بنا سکتے ہین مگر جو کچھ اُس کے

نسبت ہم کیا چاہتے ہین وہ ہم کو بہت جلد کرنا چاہیئے کیونکہ جو کچھ
تخم عادتون اور خصلتون کے اُسکی طبیعت اپنے ساتھ گذشتہ
زندگی سے لائی ہے اُن تخمون مین ہر لحظہ کلّہ پھوٹ رہا ہے
اور دم دم پر ایسے وسائل اور اسباب مہیّا اور موجود ہو رہے
ہین جو بطور خود اُس کی آیندہ زندگی کے واسطے ایک ڈھانچہ
بنا کر کھڑا کر دین گے جسکا تبدیل یا ترمیم کرنا پھر غیر ممکن ہو جائیگا
اس وقت تک ہمارے اختیار مین ہے کہ کس بیج مین کلّہ پھوٹنے
دین اور کس بیج کو خشک کر ڈالین۔ والدین جو دل و جان سے
اَولاد پر فدا ہین وہ بھی تو نہین جانتے کہ کس حد تک بچّون
کی آیندہ بھلائی یا برائی خود والدین کے ہی ہاتھ مین ہے
آپ اپنے کل دوستون کی طرف خیال دوڑائیے اور غور
کیجیے کہ اُن مین سے ہر ایک دوست کیسا برگزیدہ شخص ہوتا اگر
اُسکی نیک خصلتین قائم رکھی جاتین اور بڑھائی جاتین اور جو
کچھ بُرائیان اُسکی طبیعت مین ہین وہ چُن چُن کر نکالی ڈالی

گئی ہوتین - یہہ ہی اثر ہے جو بچے کی طبیعت پر آپ ڈال سکتے ہین

اگر آپ اپنے فرائض سے واقف ہون اور اس ہی قسم کا منتخب

اور فرشتہ صفت شخص آپ ہر بچے کو بنا سکتے ہین اگر آپ

اپنی اوپر تھوڑی تکلیف گوارا کرین -

اس جگہ پر یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نتیجہ بذریعہ پند

ونصائح اور تعلیم کے حاصل ہوسکتا ہے - اُسکا جواب یہہ ہے

کہ جب کچھ دن چڑھینگے اور بچّہ ذرا ہوش سنبھالیگا تو نصیحت

اور تعلیم کا بھی وقت آئیگا اور اُس وقت نصیحت اور تعلیم بھی

بہت کچھ کام دیگی مگر بالفعل تو آپکے پاس ایک بہت زیادہ

بکار آمد آلہ موجود ہے جسے آپ بچے کے پیدا ہونے ہی

بلکہ پیدا ہونے کے بھی پہلے سے کام مین لا سکتے ہین - یہہ

آلہ آپ کے ذاتی خیالات اور چال چلن کا اثر ہے - اکثر مہذب

اشخاص کچھ کچھ واقفیت اس آلہ سے رکھتے ہین اور تھوڑا

بہت اس کا استعمال بھی کرتے ہین - چنانچہ وہ شخص بہت ہی

بد اخلاق سمجھا جاتا ہے جو اپنے بچون کے سامنے کریہہ
الفاظ زبان سے نکالتا ہے یا اُن کے روبرو بیجا غصّہ کا
اظہار کرتا ہے لیکن جو بات اس وقت تک لوگون کے
خیال مین نہین گذری ہے وہ یہہ ہے کہ بچے کی طبیعت کو
اثر بد سے بچانے کے واسطے محض یہہ ہی ضروری نہین ہے
کہ والدین اپنے حرکات کو درست کرین یا اپنی زبان کو قابو
مین رکھین بلکہ اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ وہ اپنے
خیالات کو پاک وصاف رکھین اور اپنی طبیعت کو بدی
کی طرف مائل ہی نہ ہونے دین - یہ سچ ہے کہ اس جسمانی
آنکھ سے بُرے خیالات اور گندی خواہشون کا اثر بد جو بچّے
کے دل پر پڑتا ہے وہ محسوس نہین ہوتا لیکن اثر کا عدم یا
وجود اُسکے دکھائی پڑنے یا نہ دکھائی پڑنے پر تو منحصر نہین ہے
امر واقعی یہہ ہے کہ والدین کے بُرے خیالات کا اثر بچے کی
طبیعت پر بہت ہی جلد پڑتا ہے بہت ہی دیرپا ہوتا ہے اور

بہت نقصان پہنچتا ہے ماباپ جب اپنے دل مین برے

خیالات کو مثل غصّہ۔حسد۔غرور۔خودغرضی۔لالچ وغیرہ کے

جگہ دیتے ہین (گوکسی خاص حرکت سے ایسے خیال کو ظاہر کرین)

توجوکچھ کیفیت وہ اُن خیالات کی وجہ سے اپنے قالب ہوس

مین پیدا کرتے ہین وہ فوراً بچّہ کے قالب ہوس پر اثرڈال کر

اُس مین بھی بجنسہ وہ ہی کیفیت پیدا کردیتی ہے بلکہ یون کہنا

چاہیئے کہ ان خیالات فاسد کے وقت والدین کے قالب ہوس

کے تار سے جو سُر پیدا ہوتا ہے وہ ہی سُر بچّہ کے نازک اور

مجیب قالب ہوس سے بھی پیدا ہوتا ہے اور نتیجہ یہہ ہوتا ہے

کہ اِن خاص خصلتون کے جو تخم اُسکی گذشتہ زندگی سے

اُسکے ساتھ آئے ہین اور اُسکی طبیعت کی زمین مین پڑے ہوئے

ہین وہ اس ذریعہ سے تازگی پاکر جمنے لگتے ہین اوراس زندگی مین

بھی اُنکا درخت سرسبز ہوکر قوت پکڑجاتا ہے۔بچون کی

موجودہ نسل زیادہ تر اس ہی طرح بگاڑی جارہی ہے

جن لوگون کو قوت کشف× حاصل ہے وہ جانتے ہین
کہ عام طور پر بچپن مین جسم کا ہالہ+ کیسا خوشنما ہوتا ہے۔
اس عمر مین ہالہ کا رنگ صاف اور چمک دار ہوتا ہے۔
طمع نفسانی اور شہوت پرستی کے دھبے ابتک اُسمین
نہین آئے ہوتے ہین نہ خودغرضی اور خبث طبیعت نے
اس وقت تک اُس مین آلودگی پیدا کی ہوتی ہے۔ خواہشون
اور خصلتون کے مادّے بلکہ آمادگیان جن کا ذکر اوپر ہوا
اُس ہالہ مین موجود ضرور ہوتی ہین مگر اس وقت تک
وہ محض پژمردگی کی حالت مین پائی جاتی ہین۔
غرضکہ جو لوگ اس قسم کی نظر رکھتے ہین وہ ہالہ دیکھکر

---

نوٹ × کشف یا مکاشفہ کلیر وائینس اور کلیر آڈینس کو کہتے ہین۔

(آرا+ - ہالہ) قالب ہوس اور قالب واہمہ بمقابلہ جسم خاکی کے بہت بڑے ہوتے ہین
لہٰذا جسم خاکی کے چارون طرف بالشت بالشت بھر بلکہ اور زیادہ نکلے رہتے ہین بمقابلہ
جسم خاکی کے یہہ بہت زیادہ لطیف اجزا سے بنے ہوتے ہین ۱۲ + + + +

بتا سکتے ہین کہ اگر خارجی اثر بد سے بچہ محفوظ رہا تو بڑے ہو کر کس عادت
اور کس طبیعت کا شخص ہوگا۔ لیکن جب کبھی بچّہ کے حالہ کی
پاکیزگی اور نفاست پر نظر پڑتی ہے تو فوراً ہی یہ افسوس بس
دلانے والا خیال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سب لطافت و
نفاست بہت عارضی ہے کچھ برس بھی نہ گذرنے پائین گے
کہ بچے کی طبیعت مین انواع واقسام کی بُرائیان پیدا کردی
گئی ہون گی۔ معصوم بچّے تو ڈالے ہی ایسی حالت اور ایسے
تعلقات مین جاتے ہین کہ اُنکی طبیعت کی بُرائیان تو زور پکڑتی
اور اُبھرتی ہین اور جو کچھ نیکیان ہوتی ہین وہ خواہ نخواہ دب
جاتی ہین۔ نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ زندگی پر زندگی ضائع جاتی ہو
اور جنم جسمین اُستاد یا والدین کی ذراسی توجہ سے روحانی
ترقیون کا بڑا ذخیرہ جمع ہو سکتا تھا بیکار خراب جاتا ہے
بلکہ کہنا چاہیئے کہ جس غرض سے روح نے جسم مین نزول کیا تھا
وہ غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے۔

جس حالت مین والدین جن پر بچونکی نگاہداشت فرض
ہے اپنی مجرمانہ لاپروائی سے اُس فرض کے اداکرنے مین
قاصر رہتے ہین اور کثیف اور گندے خیالات سے
ہروقت بچون کو گھرا رکھتے ہین ۔ تو پھر تعجب کی کیا بات
ہے اگر بنی نوع انسان کی ترقی اس قدر رکاوٹ اور
آہستگی کے ساتھ ہورہی ہے اور لوگون کے صدہا
جنم محض اشغالِ دُنیوی مین صرف ہوکر بیکار جاتے ہین۔ اس کے
ساتھ افسوس تو یہہ ہے کہ لوگون کی آنکھین کیسی بند ہین
ورنہ اگر ذرا سی توجہ اور فکر سے کام لیا جاے تو بہت کچھ
ترقی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے ۔

اگر اس وقت نئی پود کی عام طور پر تربیت اُس قاعدہ
سے کیجاوے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے یعنی اگر خیال رکھکر
بچون کی بُری خصلتون کو اُبھرنے کا موقع نہ دیا جائے
اور وہ خشک اور شرمردہ کر دی جائین۔ اور بجائے اُنکے

نیک اور پسندیدہ خصلتون کو قصداً اور ارادتاً ابھارا اور

بڑھایا جاے اور اگر یہہ نئی پود اپنے بچونکے ساتھ یہی عمل

کرے تو ظاہر ہے کہ دو ہی چار پشت مین ہماری حالت کیا کی

کیا ہو جاے اور بنی نوع انسان کہان سے کہان پہنچ جائین

بلکہ کہنا تو یہہ چاہیئے کہ یہہ زمین بہشت کا نمونہ بن جائے۔

عوام الناس ممکن ہے اسی قسم کی کوشش کرنے کے واسطے تیار

و آمادہ نہون۔ ممکن ہے ان کی ترقی کے لیئے ابھی بہت کچھ

وقت درکار ہو مگر جو لوگ تھیا سوفکل سوسائٹی کے ممبر

ہین ان پر تو فرض ہے کہ دلی کوشش اس حالت کے پیدا

کرنے کی کرین جسکا مین نے اوپر خاکہ کھینچا ہے ہم لوگون

کی کوشش کا اثر ممکن ہے بہت دور تک نہ جاے مگر اپنی اولاد

پر تو ہم بہت کچھ اثر ڈال سکتے ہین اور انکی ترقی اور بہبودی

مین تو ہر طور پر ہم مدد دے سکتے ہین۔

مین بہت سخت احتیاط لازم ہے اور جو لوگ اپنی عادت سے لاچار ہین
اور گندے اور ناپاک خیالات کو دل سے دور نہین کر سکتے
اُنکو کم از کم یہہ عہد تو ضرور کر لینا چاہیئے کہ بچے اُنکے پاس ہم کسی
ایسے وقت نہ جائینگے جبکہ کثیف خیالات ہمارے دل مین
گذر رہے ہونگے اُنکو یہہ جاننا چاہیئے کہ جس طرح سے مرض متعدی
ایک سے دوسرے کو لگ جاتا ہے اسی طرح سے بُرا خیال
ایک کے دل سے دوسرے کے دل مین سرایت کر جاتا ہے
اور مرض تپ سے اتنا نقصان نہین ہوتا جتنا ایک ناپاک
خیال کے دل مین آجانے سے ہو جاتا ہے ۔

مثلاً دائیون کے انتخاب مین بہت احتیاط کرنی چاہیئے
بلکہ دائی کے پاس بچہ جتنا کم رکھا جائے اُتنا ہی اچھا ہے
یہہ ضرور ہے کہ بعض دائیون کو بچون سے بہت کچھ اُنس ہو جاتا ہے
حتے کہ وہ بچون کو اپنی اولاد کے مانند سمجھنے لگتی ہین ۔ مگر اول تو
ہر دایہ کو بچے کی محبت اتنی زیادہ ہو نہین جاتی اور علاوہ اس کے

اور یہہ ظاہر ہے کہ نوکرونکے خیالات بمقابلہ آقاؤن کے خیالات
کے ہمیشہ پوچ اور ناپاک ہوتے ہین اور ملازم عورتین اپنی مالک
مخدرات سے ہمیشہ ہی تہذیب اور شایستگی مین کم ہوتی ہین
پس جن بچون کا وقت زیادہ تر ملازم عورتون کی صحبت
مین بسر ہوتا ہے وہ خواہ نخواہ ایسے خیالات سے متاثر
ہو جاتے ہین جو اُن کے والدین کے معمولی خیالات سے
بھی نیچے درجے کے ہوتے ہین - پس جو ما چاہتی ہو کہ بڑھ کر
میرے بچے کا مزاج نفیس اور اُسکے خیالات پاکیزہ ہون تو
اُسے لازم ہے کہ اول تو حتے الوسع بچے کی پرورش غیرون
کے سپرد نہ کردے اور دوسرے اپنے خود خیالات کو
پورے طور سے قابو مین رکھے یعنی جس وقت تک بچّے کے پاس
رہے اپنے دل مین بُرے خیالات کو ہرگز ہرگز نہ آنے دے-
بہترین اصول جس پر ما کو عمل کرنا چاہیے یہ ہے کہ وہ

پہلے غور کر کے طے کر لے کہ کس قسم کے خیالات اور خواہشات
کا ن بچے کے دل مین پیدا ہونا مین پسند نہ کرونگی اور پھر
جن خیالات کو وہ ناپسند کرے اُن کو اپنے دل مین نہ
آنے دے۔ یہہ اُسکا عمل محض بُرے خیالات کے دفعیہ
کے واسطے ہی نہونا چاہیئے بلکہ اچھے خیالات پیدا کرنے
کے لیئے بھی اُسے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ خیالات
کے ایک شخص کے دل سے دوسرے شخص کے دل مین جانے
کے بارہ مین اور خیالات کے اثر اور قوت کے بارہ مین جو کچھ اوپر بیان
ہوا ہے وہ بُرے اور نیک خیالات دونون سے یکسان متعلق ہے
اسکے معنی یہہ ہین کہ والدین کا محض اتنا فرض نہ رہا کہ وہ اپنے
دل سے گندے اور بُرے خیالات کو دفع کرین اور اس طرح پر
بچونکی طبیعت مین بُرائی پیدا کرنے سے باز رہین بلکہ یہہ بھی فرض
ہوا کہ کوشش کرکے وہ اپنے دلمین عالی حوصلگی بے غرضانہ
محبت تہذیب وغیرہ کے متعلق خیالات پیدا کرین تاکہ ان

خیالات کی چمک اُنکے دل سے بچے کے دل پر پڑے اور
جن نیک خصلتون کا مادہ بچے کی طبیعت مین موجود ہو وہ تو
قوت پکڑے اور جن نیکیون کا مادہ موجود نہو اُنکا تخم اُسکی
طبیعت کی زمین مین پڑجائے - یہہ خیال رہے کہ والدین کی
اس قسم کی کوشِش رائگان نہین جاسکتی ہے - ہم لوگون
کی معمولی نظر اور ہماری جسمانی آنکھ کو ممکن ہے کہ اِس
کوشش کا اثر اور فائدہ نہ دکھائی دے مگر جن لوگون نے
ریاض کرکے قوت مکاشفہ حاصل کرلی ہے وہ کل کارروائی
کو بہت آسانی سے دیکھ سکتے ہین - والدین کے دل مین
کسی خیال کے آنے سے جو کچھ حرکت اُنکے قالب واہمہ مین
پیدا ہوتی ہے وہ بھی اہل کشف بخوبی دیکھ سکتا ہے اور
اُس حرکت کے جواب مین اور اُسکے اثر سے جو کیفیت بچے
کے قالب واہمہ مین پیدا ہوتی ہے وہ بھی اُسے پورے
طور پر محسوس ہوتی ہے لہذا اگر کوئی **کلیر و اینٹ**

وقتاً فوقتاً کسی بچے اور اُس کے والدین کے قالب واہمہ

اور خیالات پر نظر ڈالتا رہے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ بتا سکتا

ہے کہ محض والدین کے خیالات نے ہی بچہ کے قالب واہمہ

مین کس درجہ اور کس قسم کی مستقل تبدیلی پیدا کر دی ہے

اور کس حد تک والدین کے خیال اُس بچے کی ترقی کے

باعث ہوئے ہین۔ اگر والدین کو بھی عام طور پر قوت

کلیر وانئیس (کشف) حاصل ہوتی تو وہ بھی ہمیشہ دریافت

کر لیا کرتے کہ ہمارے بچے مین کس کس قسم کی قابلیت تو موجود ہے

اور کس کس بات کی اُسکی طبیعت مین کسر یا کمی ہے اور اُس ہی لحاظ

سے کمی کے پورا کرنے یا کمزوری کے رفع کرنیکے لئے وہ اپنے

خیالات کا اثر اُسکی طبیعت پر ڈالتے۔ حالت موجودہ مین بھی

والدین کو اس بات کا تو قطعی اطمینان رکھنا چاہئے کہ باپ ما

کی دلی کوشش کا اثر بچے کی طبیعت پر ضرور پڑتا ہے اور اُسکا

نیک نتیجہ بچے کو ضرور بالضرور ملتا ہے۔ گو موجودہ ناواقفیت

اور لاعلمی کی وجہہ سے یہہ نہ ظاہر ہو کہ کیونکر وہ اثر یا نتیجہ پیدا ہوا

یہان تک تو محض خیالات کا ذکر تھا اب یہہ کہنا بھی ضرور

ہے کہ والدین کو خیالات کے علاوہ اپنے مزاج کی کیفیت

کا بھی ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے۔ ناانصافی کو بچہ فوراً تاڑ

جاتا ہے اور ذراسی بھی بے انصافی اُسکے دل کو بہت

ناگوار گذرتی ہے۔ اگر اُس کی کوئی خاص حرکت ایک مرتبہ

تو مذاق مین ٹال دی گئی ہو اور دوسری مرتبہ اُس ہی حرکت پر

اُسے ڈانٹ پڑے تو کیا بچے کے دل مین اولجھن نہو گی

کہ ایک ہی سبب اور ایک ہی باعث سے دو مختلف نتیجے

کیونکر پیدا ہوگئے اسی طرح سے جب کبھی والدین کو متفکر

یا مغموم ہونے کا موقع ہو (اور کون انسان ہے جسے کبھی

نہ کبھی رنج اور غم سے سامنا نہین ہوتا) تو والدین کا فرض

صرف اتنا ہی نہین ہے کہ وہ خود صبر کرین اور دل کو مضبوط

رکھین بلکہ یہہ بھی فرض ہے کہ حتے الامکان بچے کی

طبیعت کو اُس رنج اور فکر سے متاثر ہونے دین اور اُسپر
اُس رنج اور فکر کا بار نہ پڑنے دین - بہر حال جس وقت تک
وہ بچون کے پاس ہون اُس وقت تک تو اُن کو خاص کوشش
کرنی چاہیئے کہ ہماری طبیعت مین رنج اور اضمحلال نہ آنے پائے
اور صبر اور استقلال ہاتھ سے نہ جانے پائے کہ مبادا ہمارے
جسم سے فکر اور پریشانی کی لہرین بچے کے جسم تک پہونچکر
اُس کی ننھی سی طبیعت کو پژمردہ اور ملول کر دین - اس سب
کے علاوہ بہت سے نیک نہاد اور خیر طلب والدین کی طبیعت
مین لاڈ اور دُلار کی کثرت کی وجہ سے فکر اور گھبراہٹ کا مادّہ
بہت بڑھا رہتا ہے ایسے شخص خدا واسطے کو بھی بات کا بتنگڑ
بنایا کرتے ہین خفیف بات پر بہت کچھ فکر اور تردد اپنی طبیعت
پر لے کر اپنے تئین اور اپنے بچون کو ناحق تکلیف پہونچاتے ہین
کاش ایسے والدین کو نظر کلیروائنس حاصل ہوتی اور وہ دیکھ
سکتے کہ اس ہر وقت کی پریشانی اور گھبراہٹ سے کیا کیفیت

اختیار وہ اپنے اثرات (قالب ہائے لطیف کا ہالا) مین پیدا کردیتے

ہین اور اُس کا کیا تکلیف دہ اور پریشانی بخش اثر بچے کے

نازک اور محبب قالب پر پڑتا ہے ۔ اگر والدین یہہ سب دیکھ سکتے

تو اُن کو معلوم ہوتا کہ کیون ہمارے بچے بعض اوقات ضِدی

اور چڑچڑے ہوجاتے ہین بلکہ وہ یہہ بھی سمجھتے کہ بچون کی اس

بیقراری اور بد مزاجی مین قصور زیادہ تر خود والدین کا ہے

نہ کہ بچون کا ۔ والدین کو چاہیئے کہ ہمیشہ استقلال مزاج اور اطمینان

خاطر قائم رکھین اور صبر و توکل کو کبھی ہاتھ سے ندین ہر وقت

یاد رکھین کہ جو کچھ ہوا ہے وہ ہماری بہتری کے واسطے ہوا ہے۔

اور جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا اُس ہی مین ہماری کچھ بہتری ہے

(یہہ ہی مقولہ ہے جس پر عقیدہ جمانے سے وہ سکون باطن

حاصل ہوتا ہے جسے انسان کچھ دل ہی دل مین سمجھ سکتا ہے

اور جو تقریر و تحریر کے باہر ہے) اگر اس طریقہ پر والدین اپنی

طبیعت کو قابو مین رکھین اور اُسکی اصلاح کیطرف توجہہ کرین تو

نتیجہ محض یہہ ہی ہوگا کہ وہ بچون کی ترقی کا باعث ہونگے بلکہ
والدین خود بہت جلد اور بہت تیزی سے ترقی کرنے لگین گے
کیونکہ جو خیالات شروع شروع مین والدین کوشش کرکے
یا بالارادہ بچون کے فائدہ کی نیت سے اپنے دل مین لائین گے
وہ کچھہ روز مین عادت ہو جانے سے خواہ نخواہ ازخود پیدا ہونے
لگین گے اور آگے چل کر دل مین مستقل جگہ بنا کر والدین کی
طبیعت پر اپنا پورا پورا رنگ جما دین گے ۔

یہہ خیال رہے کہ جس احتیاط کا ذکر اس وقت ہوا ہے اُس
مین والدین کو کمی محض اس وجہ سے نہین کرنی چاہیے کہ بچّے
کی عمر اب بڑھ چلی ہے ۔ خارجی اثر قبول کرنے کی قابلیت جو بچے
کی طبیعت مین اُس ہی وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب وہ
ما کے پیٹ مین آتا ہے بچپن تک زیادہ رہتی ہے مگر عام طور
پر یہہ قابلیت تھوڑی بہت اُسوقت تک بھی قائم رہتی ہے
جب تک کہ بچّہ سنِ تمیز کو پہونچتا ہے ۔ چنانچہ اوائل عمر مین

اگر کسی بچے کی تربیت اصول مندرجہ بالا پر ہوتی ہے

تو بارہ چودہ برس کی عمر مین اُس کی طبیعت مین اس تربیت

کا اثر نمایان طور پر پایا جائے گا اور اُس کے پاس بمقابلہ اُس

بدقسمت لڑکے کے جو ایسی تربیت سے محروم رہا ہے بہت کچھ

سامان ترقی آیندہ کا موجود ہو گا - مگر باوجود اس کے یاد رکھنے

کی یہہ بات ہے کہ اس بارہ چودہ سال کی عمر مین بھی جو قابلیت

خارجی اثر قبول کرنے کی ہے وہ بعد حصول بلوغ باقی نہین رہیگی

علاوہ اسکے یہہ ہی زمانہ جوانی کی آمد کا ہے اس ہی عمر مین

جوانی کی بُرائیان طبیعت مین پیدا ہو جاتی ہین لہذا یہ خاص

وقت ہے جب والدین کو چاہیے کہ اپنے نیک اور پاک

خیالات کے ذریعہ سے بچے کی دستگیری کرین اور اُس کے

دل اور طبیعت کو قوی مدد پہونچائین تاکہ جوانی کی اُمنگین اور

خواہشین اُسکے خیالات اور حرکات کو راہ راست سے ہٹا نہ سکین -

چونکہ قدرتی طور پر صغر سنی مین بچے کو سابقہ والدین سے

پڑتا ہے اور اُن ہی کی مدد کا وہ طلبگار رہتا ہے لہذا اس
وقت تک میں اس تقریر مین والدین کی ہی طرف مخاطب رہا ہون
مگر یہہ ظاہر ہے کہ جو کچھ ذکر والدین کے فرائض کا اس وقت
تک ہوا ہے وہ بجنسہ اُن کل اشخاص سے متعلق ہے جنکو کسی
حیثیت سے بھی بچون سے سابقہ پڑتا ہے بالخصوص اُن اشخاص
سے تو ضرور متعلق ہے جو معلّمی کی بھاری ذمہ داری اپنی گردن
پر اُٹھائے ہوئے ہین ۔ لوگ اندازہ نہین کر سکتے کہ اُستاد
کس حد تک شاگرد کی طبیعت پر اپنا اثر ڈال سکتا ہے اور یہہ اثر
خواہ وہ نیک ہو یا بد محض اُستاد کے قول اور فعل کا ہی نہین
ہوتا بلکہ زیادہ تر اُس کے خیالات کا ہوتا ہے ۔ اکثر اُستاد
شاگردون کو ایسے عیوب کے لیئے ڈانٹتے اور سزا دیتے ہین
جنکے باعث خود حضرت اُستاد ہین اور جو خود اُنکی ہی طبیعت
کے نقص کی وجہہ سے شاگردون کی طبیعت مین آ گئے ہین
اگر اُستاد کے اپنے خیالات کثیف اور خود غرضانہ ہین تو وہ

جدھر نظر ڈالے گا اُسے اپنے شاگردوںمین بجز کثافت اور

خودغرضی کے اور کچھ نہ ملیگا۔ غضب یہہ ہے کہ اُستاد کے

اُن ناپاک خیالات کا اثر محض اُن ہی طالب علمون تک محدود

نہین رہتا جو صریحی طور پر اُن خیالات سے متاثر ہوتے ہین

بلکہ ہوتا یہہ ہے کہ جہان کوئی خاص گندہ خیال کسی لڑکے

کے دل مین گذرا تو وہ فوراً ہی قوت پکڑکر پھیلنے لگتا ہے اور

ایک لڑکے کے دل سے منتقل ہوکر دوسرے کے دل مین

پہونچتا ہے۔ حتے کہ رفتہ رفتہ کل طالبعلم جو اُس خاص

وقت مین مدرسے مین پڑھتے ہوتے ہین اُن پر اُس خیال

کا اثر پہونچ جاتا ہے اور پھر اسی طرح سے طالبعلمون کی ایک

پود سے لیکر دوسری اور تیسری پود تک وہ خیال اور

عیب منتقل ہوجاتا ہے اور نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ جتنے طالبعلم اُس

مدرسے مین پڑھے یا بیٹھے ہوتے ہین اُن سب مین وہ خاص

عیب بطور نشان یا پہچان کے پایا جاتا ہے۔

بد اطواری اور بد وضعی جو بہت سے اسکولون مین اِسوقت
مثل وبا کے پھیلی ہوئی ہے کبھی اس درجہ تک نہ پہونچتی اگر
اُن اسکولون کے نگران اور معلم اپنے خیالات کو صاف اور
پاک رکھتے اور راستبازی کو اپنا شعار بناتے۔ غنیمت یہہ ہے
کہ جس طرح سے بُری عادتون کی بنیاد پڑتی ہے اُسی طرح سے
اسکولون مین نیک عادتون کی بنیاد بھی قائم ہو سکتی ہے
یہہ ضرور ہے کہ بُرائیان لڑکے اسکول کے باہر بھی سیکھتے ہین
اور اس وجہ سے بد چلنی کے مقابلے مین نیک چلنی کی بنیاد
بمشکل قائم ہوگی مگر پھر بھی اگر معلم اپنے فرائض سے پورے طور پر
واقف ہوکر اسکول اُن اصول پر چلائین جنکا ذکر اوپر ہوا ہے
تو اُن کو اپنے دل پر قابو رکھنے اور اپنے خیالات کے درست
کرنے کا یہہ نتیجہ ضرور ملے گا کہ اُن کے شاگرد نیک سیرت
اور با تہذیب ہو جائین گے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ والدین اور اُستاد بچے کے

دل پر صرف ایک طرح پر پورا اثر ڈال سکتے ہین اور صرف
اُس ہی طریقہ سے اُن خوبیون کو جو قدرتی طور پر اُسکی
طبیعت مین موجود ہون تازگی اور قوت دیسکتے ہین ۔
اور وہ طریقہ یہہ ہے کہ اُستاد یا والدین پہلے بچے کے
دل مین اپنی محبت اور اپنی طرف سے بھروسہ پیدا کرین ۔ یہہ مین
مانتا ہون کہ بچے کو ڈرا کر اور اُسکے دل مین خوف سزا پیدا کرکے
بھی والدین اور اُستاد احکام کی پابندی کرا سکتے ہین اور
بچون کو مجبور کرسکتے ہین کہ وہ مودبانہ پیش آئین ۔
مگر ڈر سے جو طریق عمل اختیار کیا جاتا ہے وہ تو اُتنی ہی
دیر قائم رہتا ہے جتنی دیر وہ شخص خود موجود ہو جسکا ڈر ہے
یا کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اُس اول الذکر سے چغلی کھا دیتا
ہو ۔ جہان کہین ان دونون مین ایک بھی موجود نہ ہوا یا
جہان یہہ ڈر نہوا کہ ہم عدول حکمی کرتے دھر لیئے جائینگے
وہان تو لڑکے کل احکام بالاے طاق رکھدیا کرتے ہین

مطلب یہہ ہے کہ خوف سے یا سزا کے ڈر سے جو کچھ کیا
جاتا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ بمجبوری کیا جاتا ہے نہ بطیب خاطر
بجاے اسکے اگر محبت سے کام لیا جائے تو خود لڑکے
کا دلی شوق اُستاد یا والدین کی ایک طور پر مدد کرتا ہے
یعنی چونکہ بچے کے دل مین محبت پیدا ہو گئی ہوتی ہے لہذا
خلاف ورزی یا عدول حکمی کرتے وقت اسے ہمیشہ خیال
گذرتا ہے کہ ایسا کرنے سے مین اپنے فلان مہربان یا شفیق
کو رنج پہونچاؤنگا - چنانچہ اگر اس قسم کا خیال بچے کے دلمین
پورے طور پر جانشین کر دیا گیا ہو تو بُری صحبت کا یا دوسرون
کے بہکانے کا اثر اُس پر بہت کم ہوتا ہے اور پھر کسی فعل
کے کرنے یا نکرنے مین اُسے یہ خوف نہین رہتا ہے کہ کہین
اُستاد یا باپ دیکھتا ہو یا کہین اُسے اس بات کی خبر
نہ لگ جاے - غرضکہ محبت کے ذریعہ سے والدین اور اُستاد
اپنا منشا زیادہ آسانی سے حاصل کرسکتے ہین - اسکے علاوہ

بڑی عمدگی پیار سے کام لینے مین یہہ ہے کہ بچہ جو کچھ کرتا ہے

وہ ہنسی خوشی کرتا ہے لہذا غصہ اور ضد کے مادّے کو

تحریک اور ترغیب نہین ہوتی بلکہ بچے کی طبیعت مین جو نیکیون

کے مادّے موجود ہوتے ہین اُن کو اور تقویت پہونچتی ہے

اور بچپن مین جو قدرتی طور پر کھیل کود کی طرف رُجحان طبیعت

ہوتا ہے اُس کو روکنے اور اُسکا مقابلہ کرنے کے واسطے

طالب علم کا شوق اُستاد کی مدد کے لیئے موجود ہو جاتا ہے

غرضکہ محبت کے ذریعہ سے شاگرد اور اُستاد دونون کو

وہ بات بآسانی حاصل ہو جاتی ہے جو کسی اور طریقہ

سے بدقت بھی نصیب نہین ہوتی ۔

اُستاد کے واسطے ضرور ہے کہ وہ شاگرد کا مزاج

شناس ہو اور شاگرد کو پورے طور پر یقین دلا دے

کہ مین تیرا ہمدرد اور خیر طلب ہون ۔ سختی اور تشدد کا تو نام

بھی نہ لینا چاہیئے اور ہر ہدایت اور حکم کی جو شاگرد کو

دیا جاوے وجہہ اور باعث بہ دلائل سمجھا اور بتا دینی چاہئین

اس مین شک نہین کہ بعض دفعہ کام ایسا آپڑتا ہے کہ وجوہ

اور سبب بتانے کی فرصت ہی نہین ہوتی مگر ایسی صورتون کے

واسطے بچے کو پہلے ہی سے تیار کر رکھنا چاہیئے یعنی بچے کو واقف

کر رکھنا چاہیئے کہ ایسے موقع پر میرا فرض ہے کہ بلا قیل وقال

حکم کی تعمیل کرون وجہ اور سبب بوقت فرصت مجھے بتا دیئے

جائین گے۔ اور والدین اور اُستاد کو بھی لازم ہے کہ جب

کبھی ایسا موقع ہوا ہو تو فرصت ملنے پر فوراً ہی بچّے کو

بتا دین کہ فلان حکم جو ہمنے دیا تھا وہ اسوجہہ سے اور اس

غرض سے دیا تھا۔ اکثر والدین اور اُستاد بچون سے توقع

رکھتے ہین کہ چاہے بچے کسی حکم یا ہدایت کی وجہ اور خوبی

سمجھین یا نہ سمجھین مگر اُس کی پابندی بلا عذر کر دیا کرین۔

مگر جو اس طرح کی امید رکھتے ہین اُن کی سخت غلطی ہے۔

اسکے معنے تو بجز اسکے اور کچھ نہین ہین کہ اُنکے خیال مین

بچون کی طبیعت فرشتون کی سی ہونا چاہیئے اور جو صبر
اور تحمل اور بردباری کہ خود اُن اُستاد یا والدین کی طبیعت مین
نام کو بھی نہین ہے وہ سب اُن بچونکی طبیعت مین موجود ہونا
چاہیئے ایسے والدین اور بزرگ ابتک نہین جانتے کہ بچے کے ساتھ
سختی اور ترشی سے پیش آنا محض عیب مین ہی داخل نہین
ہے بلکہ بے عقلی اور حماقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے
کہ سختی کرنے سے تو بنا بنایا کام بگڑ جاتا ہے اور غرض مطلوبہ
بجاے حاصل ہوجانے کے مفقود ہو جاتی ہے۔
اکثر دیکھنے مین آتا ہے کہ بچون مین بہت سے نقص تو محض اس
وجہہ سے پیدا ہوجاتے ہین کہ اُن بیچارون کی پرداخت
اور پرورش ہی خلاف عقل اور خلاف قدرت طور پر ہوتی ہے
اول تو بچہ قدرتی طور پر خود ہی حد درجہ کا زود رنج اور نازک مزاج
ہوتا ہے اُسپر طرہ یہہ ہے کہ والدین اور بزرگ بجاے
اِسکے کہ اُسکے اغراض یا اُسکے منشے کے سمجھنے کی کوشش

کرین ایسے اُن حرکات پر سخت سست کہتے بلکہ زد و کوب

کرتے ہین جن مین کچھ نقص یا عیب ہونیکا اُس بیچارہ کو وہم و

گمان بھی نہین ہوتا۔ قطع نظر اسکے جس حالت مین خود اُن

بزرگون کے ہی جھوٹ اور دغابازی کی بو آئے در و دیوار سے

آتی ہے تو پھر تعجب کی کیا بات ہے اگر سزا کا خوف بچے کو

کبھی کبھی جھوٹ بولنے کی طرف مائل کر دیتا ہے پس اگر جھوٹ

بولنے کا گناہ اُس بچے سے سرزد ہوتا ہے تو اس کا

عذاب اُس معصوم کی گردن پر ہے جو مجبور ہے یا اُن لوگون

کی گردن پر جو اپنی بدتمیزی سے اُس بیچارے کو ایسی

بیکسی کی حالت مین ڈالدیتے ہین کہ اُسکا گناہ سے بچنا غیر ممکن

ہو جاتا ہے۔ مناسب تو یہہ ہے کہ اگر ہم اپنے بچے کو راستباز

بنانا چاہتے ہین تو پہلے خود اپنے تئین راستباز بنائین اور

یاد رکھنا چاہیئے کہ راستبازی صرف قول اور فعل پر ہی

محدود نہین ہے بلکہ راستباز وہ شخص ہے جو جھوٹ کے

خیال کو بھی کبھی دل مین نہ آنے دے - جب تک ہم خود

اسطرحکے راستباز نہ بنینگے اُسوقت تک ہمکو یہہ قوت اور یہہ

قدرت بھی حاصل نہوگی کہ بچون کو اُس فریب اور دروغگوئی کے

دریا سے نکالین جس مین اس وقت ہماری قوم غوطہ کھا رہی ہے

علاوہ اسکے راستبازی سکھانیکا طریقہ زیادہ آسان تو یہہ ہے

کہ ہم اپنے برتاؤ سے بچون کو یقین دلائین کہ ہم اُنکو باہوش

اور ذیعقل انسان سمجھتے ہین - ہمکو واجب ہے کہ بچوںسے نرمی

اور ملائمت کا برتاؤ کرین - بخندہ پیشانی ہر بات اُنکو سمجھائین

اور اپنے طریق عمل سے ذہن نشین کردین کہ ہم سے ڈرنے

کی اُنکو کوئی وجہہ نہین ہے (جہان محبت اور یگانگت ہے

وہان خوف کا کون موقع ہے )

ایک بہت ہی غلط خیال جو ہمارے دلمین بیٹھا ہوا ہے

یہہ ہے کہ بچہ کبھی درست نہین رہ سکتا تاوقتیکہ وہ سُست

اور پژمردہ خاطر نہ رکھا جائے اسی کے ساتھ یہ خیال بھی

ہمارے دلمین جما ہوا ہے کہ بچونکا اپنے مذاق کے مطابق دِل بہلانا عیب مین داخل ہے لہذا ہر قدم پر اُنکی روک تھام رکھنی ضرور ہے غرضکہ ایسے ہی چند در چند بیہودہ اور ظالمانہ اصول اور خیالات پر اسوقت تک بہت کثرت سے لوگ عمل کر رہے ہین جسکا نتیجہ یہ ہے کہ بیکس بچون پر جنکا محض یہی قصور ہے کہ قدرتی طور پر وہ شگفتہ خاطر رہنا پسند کرتے ہین قسم قسم کی سختیان کیجاتی ہین اور ناحق بھی اُنکی طبیعت رنجیدہ اور ملول رکھی جاتی ہے - قدرت چاہتی ہے کہ انسان کا وہ حصہ زندگی جسے بچپن کہتے ہین خاص طور پر فرحت اور مسرت مین بسر ہو لہذا اگر ہم قدرت کے خلاف عمل کرنے سے بچا چاہتے ہین تو ضرور ہے کہ جہان تک ممکن ہو ہر بچے کو ہم خوش رکھین اور حتے الوسع اُسکی تفریح اور دلبستگی کے سامان مہیا کرین ورنہ سب جانتے ہین کہ قانون قدرت کا مقابلہ کرنے مین یا اُسکے خلاف چلنے مین تو سراسر ہمارا ہی نقصان ہے ۔

بچون سے پسندیدہ برتاو کرنے مین ہمکو بہت کچھ آسانی
ہو اگر ہم یاد رکھین کہ بچے بھی واقعی روح انسانی ہین اور گو اتفاق
وقت سے اس خاص موقع پر اُنکے جسم خاکی ہمارے جسم سے
چھوٹے اور ضعیف ہین مگر نظر بہ قدامت روح تو وہ اور ہم قریب
قریب ایک ہی عمر کے ہین پس اُستاد یا والدین یا بزرگونکا کام
تو محض یہہ ہے کہ بچون کے مختلف قالبون کو اس طور سے ترتیب
دین کہ روح اُن قالبون سے پورا کام لے سکے یعنی قالب
اُس روح کے انکشاف اور حصول اغراض کا معقول اور پسندیدہ
آلہ بن سکین ۔

قدیم زمانہ مین جب ملک اطلانیتہ کی شایستگی کمال کو پہنچی
ہوئی تھی تو معلّم کی عجیب ہی قدر و منزلت تھی حتے کہ کوئی
شخص معلّم نہین ہوسکتا تھا تا وقتیکہ اُسے قوت کشف حاصل
نہو۔ اِسکی خاص وجہہ یہہ ہے کہ بلا کشف و کمال کسی کو کیونکر
معلوم ہوسکتا ہے کہ فلان بچے کی طبیعت مین کون کون تفص

یا کون کون خوبیان پوشیدہ طور پر موجود ہین اور کس خاص
تعلیم یا تربیت کی اُس بچے کو ضرورت ہے تا کہ اُس تعلیم کے
ذریعہ سے طبیعت کی برائیان دفع کردیجاوین اور نیکیان
اُبھاری جائین - آئندہ بھی ممکن ہے کہ بنی نوع انسان کی
چھٹی+ نسل مین معلمون کو پھر اُسی قسم کی قوت کشف حاصل ہوا
کرے مگر اس بات کو ابھی بہت بڑی مدت درکار ہے اسوقت
کی ہماری کوشش تو ظاہر ہے کہ اُن ہی وسائل پر محدود رہیگی
جو بالفعل ہمکو حاصل ہین - مگر یہہ یاد رہے کہ وسائل کتنے
ہی محدود کیون نہون مگر بے غرضانہ محبت کو بھی قدرت
نے وہ اثر بخشتا ہے کہ جس دل مین بے غرضانہ اور پاک
محبت ہے اُس مین بجاے خود ایک طرح کی روشنی ہے

---

+ انسان کی یکے بعد دیگرے سات نسلین ہونگی - چنانچہ چینی جاپانی قومین چوتھی
نسل انسانی کی شاخ ہین - انگریز - ایرانی - برہمن وغیرہ یعنی آریا قومین پانچوین

جو کشف اور اشراق کا کام دیتی ہے - پس جو لوگ سچی محبت
اپنی اولاد یا بچون سے رکھتے ہین وہ ہمیشہ بچون کی ضرورت
اور احتیاج معلوم کر سکتے ہین اور اگر ایسے شخص مستقل مزاجی
اور توجہہ سے کام لین تو گو اس درجہ کی صفائی نگاہ
باطن مین پیدا نہو جیسے کہ قوم اطلانیتہ کو حاصل تھی مگر
کچھ نہ کچھ واقفیت تو بچونکی طبیعت اور اُنکی باطنی ضروریات
سے آج کل بھی ضرور حاصل ہو سکتی ہے - اس کیفیت کے
پیدا کرنے مین کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور گوارا کرنی پڑے گی مگر جو
کوئی پورے طور سے بچونکے حقوق اور اپنی ذمہ داری کو
جانتا اور سمجھتا ہے وہ اُس ذمہ داری سے بخوش اسلوبی
سبکدوش ہونے کے لیئے بہت کچھ تکلیف برداشت کرنے
کو آمادہ ہو جائے گا -

آخر مین مذہبی تعلیم کے بارہ مین بھی دو ایک فقرے
لکھنے مین ضروری سمجھتا ہون - ہماری تھیاسوفکل سوسائٹی

کے بہت سے ممبر یہہ تو تسلیم کرتے ہین کہ بچون کو کسی نہ کسی
صورت مین ایسی تعلیم ضرور ملنی چاہیئے جو بدل اُس تعلیم کا ہو سکے
جو فی زمانہ مذہبی تعلیم کہلاتی ہے - مگر اِن اصحاب سے اسوقت
تک یہہ نہین ہوسکتا ہے کہ مسائل تہیا سوفی سے مذہبی
تعلیم کا کام لین اور اُسی کے اصول کو معقول اور عام فہم صورت
مین بچون کے روبرو پیش کرین - بعض ممبرون نے تو اس
معاملہ مین اس حد تک پہلو تہی کی ہے کہ اُنکے لڑکے وہ ہی
پُرانے معمولی طریقے کے سبق کتب مذہبی اور منقولات کے
ابتک پارہے ہین - اُنکا بیان ہے کہ ہماری سمجھ مین نہین
آتا کہ یہہ نہ پڑھوائین تو کیا پڑھوائین یہہ لوگ جانتے اور
سمجھتے ہین کہ یہہ سبق زیادہ تر بے معنی اور غلط ہین مگر
اسی کے ساتھ اُنکا خیال ہے کہ غلطیون کی آگے چلکر تصحیح
اور درستی ہو جائیگی - تعجب ہے کہ یہہ لوگ سمجھدار ہو کر ایسے

کہ بچے کی تضیع اوقات ایسی باتین سیکھنے مین نہونی چاہیئے
جو آگے بڑھکر اُسے بھولنی اور دل سے نکالنی پڑین - کیا اچھا ہوتا
اگر مذہبی کتابون کے مخفی معنے اور باطنی رموز بچّون کو بتائے
اور سمجھائے جاتے اگر یہ ہوتا تو پیروان اصول تھیاسوفی
کو کوئی شکایت کا موقع نہ رہتا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ تھیاسوفی
اور مخفی رموز مذہبی ایک ہی چیز ہین - لیکن بدقسمتی سے مدرسون
مین یہ مخفی مطالب تو نہین بتائے جاتے - لطف یہہ ہے
کہ بچون کو معقول طریقہ سے اہم مسائل تھیاسوفی بتانے مین
کوئی خاص دقت نہین ہے - یہہ تو ظاہر ہے کہ فروعی یا دقیق
مسائل سے اُنکے دماغ مختل کرنے کی چندان ضرورت نہین ہے
دور کائنات یا پیدایش نسل انسانی وغیرہ کے ایسے مسائل
کے نسبت علم تو بہر صورت اچھا ہے مگر شروع شروع
مین اگر یہ ادق مسائل بچون کو نہ بھی معلوم ہون تو اُن کا
کوئی خاص ہرج نہین ہے کیونکہ اُنکے جاننے یا نہ جاننے سے

کوئی صریحی اثر معمولی چال چلن پر تو نہین پڑتا - رہے وہ صاف

اور بدیہی اصول تھیاسوفی جنکو خاص تعلق تہذیب اور اخلاق

سے ہے وہ ایسے مشکل اور پیچیدہ نہین ہین کہ بچے اُنکے

سمجھنے سے قاصر رہین - چنانچہ ذیل کے تین اصول ہین

جنمین ایسی کوئی بات نہین ہے جو معمولی عقل کا بچہ نہ سمجھ سکے -

(۱) روح انسان لافانی ہے اور اُس مین بے حد اور

بے انداز ترقی اور عروج حاصل کرنے کا مادہ موجود ہے -

(۲) زندگی بخشنے والا (جوہر) ہمارے قالب کے اندر

اور باہر یکسان موجود ہے وہ لافانی اور کریم مطلق ہے وہ

کوئی ایسی شے نہین جسے کوئی سونگھ یا دیکھ یا سُن سکے ہان جو

تمنائے دلی رکھتا ہے وہ اُسے جان سکتا ہے -

(۳) ہر شخص کی نیکی بدی اُسکے اپنے ہی ہاتھ مین ہے

وہ چاہے اپنے تئین عزت اور راحت دیوے چاہے

ذلت اور رنج - چاہے صواب حاصل کرے چاہے

آپ ہے نہین عذاب کا سزاوار بنا ہے۔

یہہ مسلم الثبوت مسائل ایسے ہی اہم ہین جیسے مسئلہ زندگی

اور اُسی کے ساتھ اتنے آسان ہین کہ سادہ لوح سے سادہ لوح

شخص اُن کو سمجھ سکتا ہے۔ مختصر الفاظ مین یہہ تینون

مسائل اس طرح سے ادا ہو سکتے ہین۔" انسان کو فنا نہین ہے۔

پیدا کرنے والا رحیم ہے۔ اور انسان جیسا بیج بوتا ہے ویسا

ہی پھل پاتا ہے" ممکن نہین کہ بچے ان مسائل کا مفہوم تھوڑا بہت

بھی نہ سمجھ سکین۔ اگر کچھ تھوڑی بہت بھی یہہ مسائل اُنکی

عقل مین جگہ کر لین تو بہت کافی ہے۔ کیونکہ آیندہ جیسے جیسے

اُنکی عمر اور عقل بڑہیگی اُتنا ہی اُتنا وہ ان مسائل کی تہ کو

پہونچتے جائینگے اور اُنکے معنون کو بشرح و بسط سمجھنے لگین گے

یہ قدیم مسئلہ بہرحال بچونکے ذہن مین پورے طور پر آجانا چاہیے

کہ جسے ہم لوگ موت کہتے ہین وہ اصل مین زندگی کا دروازہ ہے

وہ کوئی ایسی مہیب یا خوفناک شئے نہین ہے جس سے بچنا یا

بھاگنا لازم ہو بلکہ وہ ترقی کے راہ کی ایک منزل ہے جسکے قریب آجانے پر خوش ہونا مناسب ہے۔

اسی کے ساتھ بچون کو سکھانا چاہیئے کہ خودغرضانہ طور پر زندگی بسر کرنا محض نامناسب ہے بلکہ انسان کو اسطرح رہنا چاہیئے کہ اُسکی ذات سے دوسرون کو فائدہ پہونچے اُسکا فرض ہے کہ ہر مخلوق کا خیر طلب اور مددگار رہو اور ہر ذی روح کی محبت قدر اور حفاظت کرے۔ بچے کی طبیعت مین ہمدردی کا مادہ قدرتی طور پر بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اُسکو بہت خوشی ہوتی ہے جب کبھی کوئی خاص کام اُسکے سپرد کیا جاتا ہی یا وہ کسی کام کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے یہہ دونون باتین بچے کی طبیعت مین ایسی موجود ہین کہ اُن سے والدین فائدہ اُٹھا کر نہایت آسانی سے بچے کے دل مین یہہ خیال پیدا کر سکتے ہین کہ ہر مخلوق اُس سے مدد پانے کا مستحق ہے اور اُسکا فرض ہے کہ ہر مخلوق کو تکلیف اور اذیت سے بچاے یہہ بھی ظاہر ہے کہ بچہ

قدرتی طور پر چاہتا ہے کہ مجھ سے کوئی محبت کرے اور مین کسی
کی حفاظت اور نگرانی کرون - ان دونون خواہشونکو بھی بزرگ
اپنے کام مین لاکر بچے کو نہ محض جاندار مخلوق کا حامی اور مددگار
بنا سکتے ہین بلکہ پھول پتون کی بھی محبت اُنکے دل مین پیدا
کر سکتے ہین - اگر لڑکون نے ٹھیک ٹھیک تعلیم اس بارہ مین پائی
ہوتی تو کیون وہ اس بیرحمی سے بیکار بیکار پھول اور پودھون کو
توڑتے اور مل مل کر پھینک دیتے - سمجھتے ہی نہ کہ یہ رنگ برنگی
پھول پتے قدرت کی صناعی کے قابل قدر نمونے ہین جو ہمارے
دل اور دماغ کو فرحت اور تازگی بخش کر ہمارے اوپر بہت بڑا
احسان کرتے ہین - اس موقع پر یہ بھی بات یاد رکھنے کے قابل
ہے کہ جب والدین اس قسم کے خلق اور محبت کے سبق بچون کو
دینگے تو مجبوراً اپنی مثال بچون کے پیش نظر کرنے کی غرض
سے اُنکو اپنے تئین خود بھی درست کرنا پڑیگا اور نتیجہ یہہ ہوگا
کہ جیسا جیسا والدین بچے کو شایستہ بنائینگے اُتنا ہی اُتنا

بچہ والدین کی اصلاح کا ذریعہ بنایا جائیگا۔ جس سے کہ آگے

چل کر کیا خورد اور کیا بزرگ سب کی طبیعت مین کل ذی روح

اور غیر ذی روح مخلوقِ خدا کی محبت پیدا ہو جائیگی اور انسان

بجاے اسکے کہ ان بے زبانونکو اذیت پہونچا کر لطف اُٹھائے وہ

اُنکو آرام اور مدد دیکر مسرت اور اُنکا رنگ روپ اور اُنکی خوبصورتی

دیکھ کر فرحت حاصل کریگا۔ علاوہ اسکے یہ تعلیم پایا ہوا بچہ

جب سِن تمیز کو پہونچے گا تو سمجھے گا کہ مخلوق کی سلسلہ وار

ترقی کی اس راہ مین مین بحیثیت انسان کس منزل تک پہنچ چکا

ہون اور آیندہ اب مجھے کیا کرنا باقی ہے۔ ہر متنفس جسے

ایسی تعلیم ملی ہو گی بجاے خود ہمدردی اور رحمدلی کا ایک

مخزن بنجائیگا۔ جس سے رفتہ رفتہ کل بنی نوع انسان فیضیاب

ہو کر کل مخلوق سے بحیثیت مجموعی اُنس اور محبت کا برتاو کرنے لگین گے

قطع کلام یہہ ہے کہ اگر اس طور پر ہم بچون کو تعلیم دین اور

اسطرح سے اُنکے ساتھ برتاو کرین تو کہنا چاہیئے کہ

ہم نے اپنے سب سے بڑے فرض کو بطور احسن و مناسب ادا کیا۔
اور لطف یہہ ہے کہ اس طریق عمل کے اختیار کرنے سے
ہم محض اپنے فرض سے ہی سبکدوش نہو جائین گے بلکہ ایک
طرح پر کل بنی نوع انسان کے ساتھ ہم بہت بڑا سلوک
کرینگے جس کا اثر محض موجودہ نسل پر ہی محدود نہو گا بلکہ
آیندہ نسلین بھی بہت دور تک اُس سے فیض یاب
ہونگی اور ہمکو انسانی ترقی مین مدد دینے کا ثواب حاصل ہوگا۔

---

